طاؤس بانہالی

حیات اور ادبی خدمات

از

منشور بانہالی

محبی و مشفقی جناب ڈاکٹر سلیم سالک
کے شرف مطالعہ کے لیے محبتوں کے ساتھ۔
منشور

طاوس بانہالی

حیات اور ادبی خدمات

منشور بانہالی

طاؤس بانہالی

حیات اور ادبی خدمات

کلامِ للہ عارفہ و حضرت شیخ العالمؒ
کا منظوم اردو ترجمہ کار

منشورؔ بانہالی

نام کتاب: طاوس بانہالی حیات اور ادبی خدمات

مُصنّف منشوؔر بانہالی

سال اشاعت: ۲۰۱۴ء

تعداد ۵۰۰

قیمت: ۳۰۰/روپے

کمپوزنگ: محمد شفیع شاہ

چھاپ خانہ: کاف پرنٹرس سرینگر کشمیر

کتاب ملنے کا پتہ

ا۔ کاشُر ادبی مرکز بانہال

۲۔ کِتاب گھر مولانا آزاد روڑ سرینگر کشمیر

اس کتاب کی اشاعت میں ریاستی کلچرل اکادمی کی کم وبیش مالی معاونت شامل رہی ہے۔ جس کیلئے مصنف اکادمی کا شکر گزار ہے، کتاب میں شامل مواد کیلئے اکادمی پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہے۔

(منشوؔر بانہالی)

ترتیب

☆



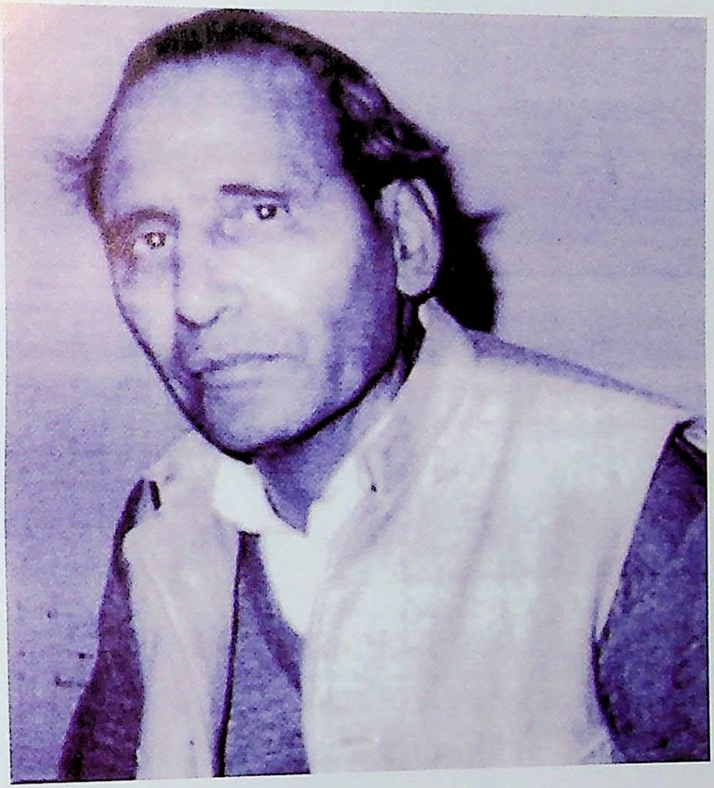


طاوس ۱۹۹۰ء

طاوس۔ ۱۹۸۵ء



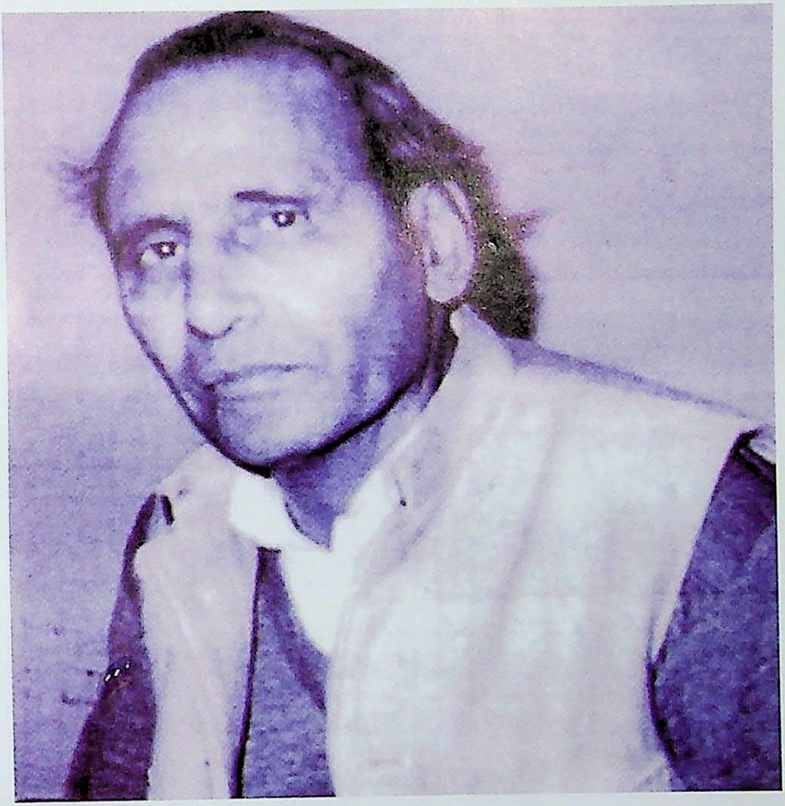
غلام نبی خیالؔ اسلام آباد میں عبدالصمد وانی مدیر 'کشیر' اور غلام رسول طاوس بانہالی کے ساتھ
اپریل ۱۹۸۶ء



طاؤس بانہالی

پیش کلام

۱۹۸۳ء میں مجھے پاکستان کے مختصر دورے پر جانے کی سعادت حاصل ہوئی۔ میں اِس پار کے کشمیر کا پہلا افسر تھا جسے سرکاری دورے پر اُس وقت کے شہرِ ممنوعہ میں داخلے کی اِجازت ملی تھی لہذا وہاں سبھی ملنے والے مجھے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتے تھے کہ ’جوابی حملہ‘ نشر کرنے والے شہر سے آئے ہوئے موصوف کے سر پر کہیں تو سینگ ہوں گے۔ خیریت یہ ہوئی کہ اُس وقت ہماری کلچرل اکادمی کے اچھے کاموں اور اُس کی مطبوعات کی شہرت وہاں پہونچ چُکی تھی اور کشمیر سے وہاں آئے ہوئے مہاجرین اِس کو جہلم کے پانیوں کی طرح اپنے ثقافتی ویری ناگ کی جوئے شیرین مانتے اور اِس کوزمزم کے جرعوں کی طرح پی کر اپنی بے وطنی کے اندھیرے میں اُجالا کرتے تھے۔ اُن دِنوں یہ حال تھا کہ اگر کلچرل اکادمی کی کوئی اُردو اور خاص طور کشمیری کتاب وہاں پہونچ جاتی تو وہاں کشمیریوں میں تہلکہ مچ جاتا تھا اور وہ اِس پر خوانِ نعمت کی طرح ٹوٹ پڑتے تھے۔ میرے دوست مرحوم عبدالصمد وانی کا گھر تو راولپنڈی کے سیٹلائیٹ ٹاون میں ایک عجائب گھر کی حیثیت اختیار کر گیا تھا کہ اُنہیں سرینگر سے کشمیری کتابیں



طاوس بانہالی

پیش کلام

۱۹۸۳ء میں مجھے پاکستان کے مختصر دورے پر جانے کی سعادت حاصِل ہوئی۔ میں اِس پار کے کشمیر کا پہلا افسر تھا جسے سرکاری دورے پر اُس وقت کے شہر ممنوعہ میں داخلے کی اِجازت ملی تھی لہذا وہاں سبھی ملنے والے مجھے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتے تھے کہ 'جوابی حملہ' نشر کرنے والے شہر سے آئے ہوئے موصوف کے سر پر کہیں تو سینگ ہوں گے۔ خیریت یہ ہوئی کہ اُس وقت ہماری کلچرل اکادمی کے اچھے کاموں اور اُس کی مطبوعات کی شہرت وہاں پہونچ چکی تھی اور کشمیر سے وہاں آئے ہوئے مہاجرین اِس کو جہلم کے پانیوں کی طرح اپنے ثقافتی ویری ناگ کی جوئے شیرین مانتے اور اِس کو زمزم کے جرعوں کی طرح پی کر اپنی بے وطنی کے اندھیرے میں اُجالا کرتے تھے۔ اُن دِنوں یہ حال تھا کہ اگر کلچرل اکادمی کی کوئی اُردو اور خاص طور کشمیری کتاب وہاں پہونچ جاتی تو وہاں کشمیریوں میں تہلکہ مچ جاتا تھا اور وہ اِس پر خوانِ نعمت کی طرح ٹوٹ پڑتے تھے۔ میرے دوست مرحوم عبدالصمد وانی کا گھر تو راولپنڈی کے سیٹلایٹ ٹاون میں ایک عجائب گھر کی حیثیت اختیار کر گیا تھا کہ اُنہیں سرینگر سے کشمیری کتابیں

لانے کا چھو منتر ہاتھ آگیا تھا۔ جب کوئی کشمیری ادیب کسی طرح پاسپورٹ کے ظُلمات اور ویزے کے کوہ قاف کو عبور کر کے وہاں پہونچتا۔ تو وہ کشش اور جاذبیت کا ایسا ہی مرکز بن جاتا جیسے گُل ریز کا عجب ملک کشمیری زبان کی نوش لب کی باہوں میں باہیں ڈال کر نمودار ہو گیا ہو۔ وانی صاحب کے درجات بلند ہوں۔ اُن کا گھر رنگ اور رامش کا صورت خانہ بن جاتا۔ ضیافتیں، نعمتیں، مشاعرے، ادیبانا چہچہے اور قہقہے، سلام وکلام صبح سے رات گئے تک یہ عُرس جاری رہتا اور کشمیری، گوجری، اردو ادیب، صحافی، کراچی، میر پور، پشاور اور مظفر آباد سے چلے آتے۔ اللہ رکھا ساغر، غلام حسن اظہر، میر عبدالعزیز، رانا فضل حُسین اور بہت سے دوسرے۔ اِنہی میں غلام رسول طاوس بانہالی بھی ہوتے۔

طاوس کا نام میں نے آزاد کشمیر کے ایک کرشمہ زاء براڈ کاسٹر کی حیثیت سے سُن رکھا تھا۔ جب میں اُن سے ملا تو مجھے ایسا لگا کہ میں عزیز اللہ حقانی کی سات جلدوں میں لکھی ہوئی قصہ ممتاز بے نظیر، کے کسی کردار سے مل رہا ہوں۔ وہ نائے قد کے تھے۔ تھے تو مرض آلودہ۔ مگر بدن گھٹا ہوا تھا۔ اُن کے کچھ زبردست کارنامے تھے۔ میری ناقص معلومات سے اُنہوں نے علمدار کشمیرؒ اور للہ عارفہ کے اکثر کلام کا پہلا اُردو ترجمہ کیا تھا۔ یہ اپنے مادرِ وطن کی شفیق کوکھ سے جُدا ہونے والے کشمیری کے لئے ماں کے آنچل کے سائے کی مانند تھا.......... مجھے یاد ہے کہ وہ بات چیت میں کافی شوق وشنگ تھے۔ لیکن اُس وقت کی مقامی Establishment کا حصہ بھی۔ لہذا ثقافتی امور پر وہ چہکتے چہکتے سیاسی معاملات پر خاموشی اختیار کر لیتے۔ احتیاط اس حد تک کہ وہ اپنے گھر میں کسی ایرے غیرے کو مدعو کرنے کے روادار نہ تھے۔ حالانکہ وہاں کے

دوسرے کشمیری مہمان کو دعوتوں اور تواضع داریوں سے بے حال کرنے کے لئے آمادہ رہتے۔ طاوس صاحب کا رقص طاوس اُن کی تخلیقی سرگرمیوں میں اپنی نیرنگیاں دکھاتا ہے۔ وہ ایک شاعر، نثر نگار، تذکرہ نویس، ترجمہ کار اور بہت تیز کالم نویس تھے۔ اُن دِنوں پاکستان میں لوک ورثے کا ادارہ بہت سرگرم تھا کہ یہ فیض احمد فیض جیسے خلّاق تمُدنی مفکر کی ذہنی اولاد تھا۔ اُس کے فیض سے طاوس بانہالی نے شیخ العالمؒ کے شلوکوں کا اردو میں ترجمہ کیا اور حق یہ ہے کہ ترجمے کا حق ادا کیا۔ اِسی طرح انہوں نے للہٕ دیٔد کے عارفانہ کلام کا بہت خوب ترجمہ کیا۔ اس کے علاوہ اُنہوں نے ہنٹن نولز کی لوک ورثے پر کتاب کا ترجمہ کر کے پاکستان کے کشمیری مہاجرین کے لئے اپنے خوبصورت وطن کا ثقافتی ماحول اور موسم فراہم کر دیا۔ ایسا کر کے اُنہوں نے کشمیری زبان کے دو سرچشموں.......... ویری ناگ اور ویتھ ووتُر.......... یعنے شیخ العالمؒ اور للہٕ دیٔد کے کلام کا ترجمہ بہت عمدہ کیا ہے اور اپنے تارکین وطن کو سیراب کر دیا ہے اگرچہ کہیں کہیں درستی کی گنجایش موجود ہے۔ مثلاً ع

لا اِلا اللہ صحی کورم وحی کورم پٹُن پان

شیخ العالمؒ کا ہی فرمودہ ہے اِسے للہٕ عارفہ سے منسوب کرنا دور از کار ہے۔ طاوس صاحب کے یہ رشحات بکھرے پڑے تھے۔

منشور صاحب بانہال کے ادیبوں کی اُس نسل سے تعلق رکھتے ہیں جو طاوس کے بعد اُبھری انہوں نے طاوس کے بہت سے قلم پاروں کو یکجا کر کے شایع کرنے کی سعی کر کے ایک اہم ثقافتی فرض نبھایا اور قرض چکایا ہے۔

اس مجموعے سے طاوس کی تخلیقی کاوشوں کا معتبر روپ سروپ سامنے آجائے گا اور

اُسے ہمارے ادبی زائچے میں اپنا مقام مل سکے گا۔ اس کتاب کی اشاعت سے اس بات کا احساس بھی عام ہوسکتا ہے کہ لائن کے اُس پار کے شعراء اور ادیبوں کو ہماری تاریخ اور تذکرے میں اپنا جائز مقام عطا کیا جائے جو اُنہیں وہاں حاصل نہیں ہوگا کہ بہر حال اُن کے ادب اور تمدُن کا محیط اعظم یعنے Mainstreem لائن کے اِس پار ہی واقع ہے اور کس آب جو کو بڑے دریا میں اُترنے کی چاہت نہیں ہوتی؟۔ شاید یہ ثقافتی پہل چلتے چلتے ایک سیاسی اور جغرافیائی وحدت کا باعث بھی بنے۔ انشااللہ۔

محمد یوسف ٹینگ

وزارت روڑ جموں

عرض مُرتّب

طاؤس بانہالی ریاست جموں وکشمیر کے بانہال علاقے سے متعلق اردو کشمیری اور گوجری زبان کے ایک مقتدر ادیب، شاعر نقاد اور ترجمہ کار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک پُرکشش براڈ کاسٹر، موسیقی کمپیر ریفیچر نویس اور ڈرامہ کار کی حیثیت سے اپنی ایک خاص پہچان اور شناخت کے حامل رہے ہیں۔ اِسے نیرنگیٔ گردشِ روزگار، تقدیر کی سِتم ظریفی یا آب ودانہ کی کشاکش کہیے کہ یہ طائیر خوش الحان، نہ جانے کیوں شوقِ پرواز میں حدِ متارکہ کے پار مظفر آباد میں پہنچ گیا اور وہاں پر عبوری آشیانہ بندی کرکے وہیں کا ہوگیا۔ بلکہ زندگی کے آخری ایام میں بے خانمانی کی صبر آزما تلخیوں سے گُزر کر فراقِ مہجوری میں ہی اپنے مالک حقیقی سے جاملا۔

ایک نیوز براڈ کاسٹر کی حیثیت سے رسول طاؤس بانہالی کی بھاری بھرکم اور پُرکشش آواز کافی عرصہ تک ریڈیو تراڑ کھل مظفر آباد کی ایک خاص پہچان بنی رہی اور بعد میں طاؤس کی پرواز کے شہپر اور بھی کھل کر اپنی نئی وسعتوں کا احاطہ کرنے لگے اور شہرت کی اونچائیوں کو چھوتے گئے۔ طاؤس کے ہر تارِ نفس میں کشمیر کی محبت کے ساز کی جھنکار تھی۔ اُس کے خطوط میں اپنے

زادویُوم کے گلی کوچوں اقارب واحباب کے ساتھ اسقدر ہمدردی اور محبت کا اظہار پایا جاتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ اُس کا جسم سرحد کے اس پار اور روح اِس پار موجود ہے۔ طاؔوس کی روح میں کشمیر کے تہذیب وتمدن، علمی، ادبی اور روحانی عظمت وشائستگی کا احساس، آپسی بھائی چارے۔ رواداری اور ثقافت وادب کی خوشبو اور مہک اسطرح سے بسی ہوئی معلوم ہوتی ہے جیسے پھول میں خوشبو۔ یہی وجہ ہے کہ وہ پورے عرصۂ مہجوری میں کشمیر کی روحانی عظمتوں کا دلدادہ رہا اور اپنے قلب ونظر کو اس کیفٔ وسرور سے سرشار کرنے کے علاوہ دوسروں تک بھی اس مہک اور خوشبو کو پہنچاتا رہا۔ آپ نے ایک نیم کشمیری، ماحول میں رہ کر نہ صرف اپنی مادری زبان کشمیری کا حق ادا کیا ہے۔ بلکہ ریاست کی سرکاری زبان اردو کو بھی ہر ممکن طریقے سے مالا مال کرنے کیلئے اپنے خونِ جگر سے آبیاری کرنے کا سہرا بھی حاصل کیا ہے۔ اردو، کشمیری بلکہ گجری شعروادب اور انتقادیات کے علاوہ آپ کا خاص کارنامہ وہ تراجم ہیں جو آپ نے کشمیری شاعری کے دوؔ سربرآوردہ اور بانی کار، رُوحانی شعرأ یعنے للہِ عارفہ کے واکھوں اور حضرت نوُرالدین ریشیؒ کے اشلوکوں کو منظوم اُردو ترجمے کی صورت میں کافی محنت اور عرق ریزی کے ساتھ مُنتقل کر کے زیب قرِ طاس کیا ہے جس سے غیر کشمیری طبقوں کو بھی اس مئے معرفت سے سرشاری اور رُوح وقلب کی شادابی کے سامان میسر ہوگئے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ نے جے ہنٹن نولز کی ''کشمیر کی لوک کہانیاں'' نام کی انگریزی کتاب کا بھی ترجمہ کیا ہے جو بہت ہی دلپذیر ہے اور دو، مجموعوں کی صورت میں یکے بعد دیگرے شائع ہوا ہے جس سے کشمیری نثر میں تراجمے کی روایت کے ایک خوشگوار باب کا اضافہ ہوتا ہے۔ یہاں اِس بات کی طرف

اشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جناب محمد یوسف ٹینگ صاحب نے دو معروف قلمکاروں، کشمیری زبان کے احمد شمیم اور گوجری زبان کے رانا فضل حسین کے مسودات کلام کو ذاتی کوشش سے دستیاب کر کے شایع کرایا جب آپ ۱۹۸۴ء میں سفرِ پاکستان پر گئے۔ ان دونوں قلم کاروں کا ذکر طاؤس کے ہاں اکثر دیکھنے کو ملتا ہے۔ طاؤس بانہالی کے آج اگر چہ یہاں اس علاقے میں بلکہ سرحد کے اس پار اپنے اقارب کے علاوہ بہت سے رفقاءاور قدردان موجود ہیں لیکن اُن کی ذات اور فنی خدمات سے متعلق ان سبوں میں معلومات کی تشنگی پائی جاتی ہے۔ اس لئے راقم الحروف نے اس قرض کو کما حقہ ادا کرنے کے حوالے سے اُن کی شخصیت کے کوائف فکری اسلوب اور فنی و ادبی خدمات کے حوالے سے اپنی معلومات کی حد تک ایک تعارُفی خاکہ پیش کرنے کی سعی کی ہے تا کہ تحقیقی ادب پر کام کرنے والے حضرات اِس کام کو اور بھی آگے بڑھا سکیں۔ نیز اس حوالے سے کشمیری زبان بولنے والوں کے مابین دُوطرفہ کشمیری تہذیب وثقافت اور ادبی مزاج کو سمجھنے میں مدد مل سکے جس سے آپسی مفاہمت اور دوستی کی راہیں اور بھی روشن اور استوار ہو سکتی ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ یہ حقیر کوشش قارئین کی معلومات میں ایک خوشگوار اضافے کا باعث ثابت ہوگی۔ اور للہِ عارفہ اور حضرت شیخ نورانیؒ کی روحانی ضیافت سے بھی آسودگئ خاطر کا موجب بن سکے گی۔ جس میں پوری دُنیا کے انسانوں کے لئے اخلاق آموزی، آپسی بھائی چارے اور امن وسلامتی کا پیغام موجود ہے۔

منشور بانہالی

بانہال۔ایک تاریخی اور ثقافی تناظُر

گیٹ وے آف کشمیر :۔بانہال کا علاقہ جسے کشمیر کے صدر دروازہ یا گیٹ وے آف کشمیر(Gate way of Kashmir) کے حوالے سے بھی بہت شہرت حاصل ہے،صوبہ جموں کے شمال مغرب کی سمت آخری پڑاو پر قومی شاہراہ کے دوطرفہ واقع ہے جس کے بعد کشمیر کی جنت نظیر وادی کا علاقہ شروع ہوجاتا ہے۔وادی بانہال قصبہ بانہال سے لیکر نوگام گاؤں تک پیر پنچال پہاڑیوں کی آغوش میں کشتی کی مانند(Boat.like)ایک خوبصورت سی وادی ہے۔جس کے تین اطراف میں پیر پنچال پہاڑیوں کی فصیل موجود ہے جس کے قرب وجوار میں یہاں کی آبادی مسکن پذیر ہے۔پہاڑوں کی یہ قطاریں دریا کی لہروں کی مانند ایک دوسرے کے پیچھے ایک دوسرے کے ساتھ جُڑی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔جنوب کی جانب سے قومی شاہراہ (Nationel high way) تنگ پہاڑیوں کے بیچ میں سے ایک بل کھاتے ہوئے سانپ کی طرح یہاں تک پہنچ جاتی ہے اور پھر یہاں

سے سرینگر کو جاتی ہے۔قصبہ بانہال اِس علاقے کا مرکز ہے جسے دیوگول کے نام سے جانا جاتا ہے جو قریباً ۴۸.۵۷ کلومیٹر رقبہ پر مشتمل ہے۔یہاں سے شہر سرینگر ۱۰۷ کلومیٹر اور شہر جموں ۱۹۷ کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔یہ اِس علاقے کی تجارت اور کاروبار کا خاص مرکز ہے اور یہاں پر انتظامی امور سے متعلق تقریباً تحصیل سطح کے سبھی دفاتر موجود ہیں۔کشمیر کے نامور مورخ اور شاعر کلہن نے اپنی مشہور تاریخ راج ترنگنی میں بانہال کو بھانشآلا کے نام سے موسوم کیا ہے۔اور قرین قیاس ہے کہ یہی بھانشالا یا ''بن شال'' لفظ بعد میں کثرت استعمال سے بن ہال اور پھر بانہال ہو کر رہ گیا ہو۔کیونکہ یہاں پر اور بھی کئی مواضعات کے اس طرح کے نام موجود ہیں۔مثلاً زِنہال۔ چاچھال۔ہنجہال اور اُکھڑہال وغیرہ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہال'' کا لفظ جگہ کیلئے استعمال ہوا ہو۔یہ تاویل اس لیے بھی حق بجانب معلوم ہوتی ہے کیونکہ بن شال کے معنے جنگل کی جگہ کے ہیں۔کہا جاتا ہے کہ قدیم ایام میں یہاں پر گھنے جنگلات موجود تھے جو آبادی کے پھیلاو کے ساتھ ساتھ کاشت کی زمین میں تبدیل ہو گئے یا چراگاہوں کے طور پر استعمال ہونے لگے اور اب ان کے نشانات کہیں دُور دُور ہی یہاں کے پہاڑوں پر نظر آتے ہیں۔ چارلیس بیٹس اے گزیٹر آف کشمیر میں یوں رقمطراز نظر آتے ہیں ''یہ ایک گُنجان اور قابل کاشت ضلع ہے جو پانسال پہاڑی سلسلے کے جنوب میں ہے۔یہ نالہ مُہو اور وادی بانہال پر مشتمل ہے جو اونچے پہاڑوں کی آغوش میں واقع ہے۔اکبر بادشاہ کے وقت بھی بانہال کا علاقہ ایک پرگنہ کی حیثیت

سے کشمیر وادی کا ایک اٹوٹ انگ تھا جس کے آثار اب تک موجود ہیں یہاں کی اکثریت مسلمان کی ہے جو لباس رہن سہن اور پوشاک اور شکل وصورت میں کشمیریوں سے ملتے جُلتے ہیں[1]۔

دریائے بچھلڑی یہاں کی خاص ندی ہے جو پیر پنچال کی پہاڑیوں سے نکل کر، نوگام گاؤں سے شروع ہو کر یہاں کے مختلف دیہاتوں سے آنیوالے چھوٹے چھوٹے دریائی نالوں کے اتصال سے وجود میں آتی ہے اور اس علاقہ کے بیچوں بیچ میں سے گُزر کرنا چلانہ کے مقام پر وادی مہوومنگت سے آنیوالی ندی کے ساتھ مِل جاتی ہے آگے چل کر یہ دریا جنوب مشرق میں پوگل پرستان سے آنیوالے نالے کے ساتھ ملتا ہے اور تنگ دریائی نالے کی صورت میں پہاڑی گھاٹیوں سے گزر کر آگے رام بن سے چھ کلومیٹر بانہال کی جانب دریائے چناب سے جاملتا ہے جو آگے ریاسی سے ہوتا ہوا اکھنور کو پہنچ جاتا ہے اور وہاں سے پھر پاکستان میں چلا جاتا ہے۔

بانہال کی وجہ تسمیہ کے بارے میں ایک مقامی روایت یہ بھی ہے کہ یہاں بارہ چھوٹے چھوٹے نالے جن کو کشمیری زبان میں ''باہ نالہ'' کہتے ہیں آپس میں مل جاتے ہیں اور اس کے انتساب سے اس کو پہلے باہ نال نام پڑا اور بعد میں اُلٹ کر بانہال کے نام سے پُکارا جانے لگا۔ لیکن فی الحقیقت اس مفروضہ کو تسلیم کیا جانا خلاف قیاس معلوم ہوتا ہے اور کلہن کے لفظ بانشال کو ہی موجودہ نام کے قریب سمجھنا زیادہ وقیع ہے۔

---

[1] A Gazetter of Kashmir

درہ بانہال کا ذکر جابجا یورپین سیاحوں کے سفرناموں اور تاریخ کی کتُب میں دیکھنے کوملتا ہے۔ وادی کشمیر میں قدیم ایام سے پیر پنچال پہاڑ میں اگرچہ مختلف درّوں یا دروازوں کا تذکرہ ہے جن میں شوپیان یوس مرگ ٹنگمرگ سے لیکر اوڑی تک کئی دروں کی نشاندہی موجود ہے۔ راجوری سے وادی کو آتے ہوئے بہرام گلہ، پوشانہ اور ہیر پور درّوں کو بھی مغل بادشاہوں نے عبور ومرور کے لیے استعمال کیا ہے لیکن بقول مصنف گلدستہ کشمیر"۔ پیر پنچال کے فلک بوس پہاڑی سلسلہ میں درہ بانشالا کے راستے ہی برف باری کے دنوں آمد رفت جاری رہتی ہے" غرض درہ بانہال قدیم ایام میں وادی کشمیر میں داخل ہونے کے لیے نسبتاً سب سے آسان اور نزدیک راستہ رہا ہے۔ پرانے وقتوں میں پیر پنچال پہاڑ کے اس درے کو پہاڑ کی چوٹی کے اوپر سے عبور کیا جاتا تھا۔ جس میں موسم سرما کی برف باری کے دوران کتنے ہی معصوم مسافر لقمہ اجل بن جایا کرتے تھے اور اُن کی برہنہ لاشیں طمع زاغ وذغن بن جاتی تھیں۔

مہاراجہ پرتاب سنگھ کے دورحکومت میں ۱۹۲۱ میں پیر پنچال پہاڑ میں ۹۰۰۰ فٹ کی بلندی پر ایک سرنگ کھودی گئی لیکن اس سے بھی مشکلات کا کوئی خاص ازالہ نہ ہوسکا اور پھر ۱۹۵۴ء میں جواہر سرنگ کے نام سے ایک جرمنی انجیرینگ کمپنی کی مدد سے دوسرنگوں پر مشتمل ٹنل کو تعمیر کیا گیا جس سے پیر پنچال پہاڑ کو عبور کرنے میں ایک انقلابی نوعیت کی آسائش پیدا ہوگئی اور یہاں کے عوام کو راحت نصیب ہوگئی۔ قومی شاہراہ بانہال کے بیچوں بیچ ہی

سے گُزر کر جواہر سرنگ کو پار کر کے وادی کشمیر میں پہنچ جاتی ہے۔اسی لئے اس علاقے کو قدیم ایام سے ہی وادی کشمیر کے صدر دروازہ یا گیٹ وے آف کشمیر کے نام سے شہرت حاصل رہی ہے۔آج کل ہندوستان ریلوے کنسٹرکشن کمپنی (Ircon) کی وساطت سے اِس علاقے کو ریلوے لائین کے ذریعے وادی کشمیر سے جوڑا گیا ہے جس کے لئے پیر پنچال پہاڑ کے بیچوں بیچ ایک گیارہ کلومیٹر سے زیادہ لمبی سرنگ تعمیر کی گئی ہے جو پورے ملک میں سب سے بڑی اور ایشیا کی دوسری بڑی لمبی سرنگ مانی جاتی ہے۔جس کی مدد سے سفر کی سہولیت، سیاحت اور یہاں کی تجارت اور کاروبار کے فروغ میں ایک حیرت انگیز تبدیلی واقع ہوگئی ہے۔اس کے علاوہ قومی شاہراہ کو چار لائین بنانے کا منصوبہ بھی رکھا گیا ہے جس کی رو سے اسی نوعیت کی اور ایک سرنگ اس پہاڑ میں تعمیر کرنے کا منصوبہ ہے جو اور بھی زیادہ آسائش اور سفری سہولیت کا موجب بن سکتی ہے۔

بانہال کے جنوب مغرب میں کھڑی کا علاقہ ہے۔جو تنگ پہاڑیوں کے بیچ میں سے گُزرتا ہوا آگے شمال مغرب میں مُہومنگت کی خوبصورت وادی میں پہنچ جاتا ہے یہ ایک خاص کشمیری علاقہ ہے اور لوگ کافی پھُرتیلے اور خوبصورت بھی ہیں۔بیچ میں گوجروں کی ملی جُلی آبادی بھی ہے یہاں کے بالائی مقامات پر ایسے پُرکشش سیاحتی مقامات ہیں جو وادی کشمیر کے گلمرگ اور پہلگام جیسے سیاحتی مقامات سے کسی قدر کم نہیں ہیں۔کھڑی میں رہنے والے لوگ کشمیری کے علاوہ اپنی مادری بولی کھاہ بولی بھی بولتے ہیں جسے عام

طور پوگلی بولی بھی کہا جاتا ہے۔

بانہال قصبہ کے شمال مشرق میں چملواس اوراس کے پیچھے نیل کی وادی کا خوبصورت علاقہ ہے جس کی حدیں ایک طرف سے پوگل پرستان اور دوسری جانب وادی کشمیر کے کاپرن علاقے سے مل جاتی ہیں۔ یہ بھی ایک خوبصوزت کشمیری علاقہ ہے اوران لوگوں کو پوگلی بولی بولنے کی بھی اچھی مہارت ہے۔ وادی نیل کے متصل مشرق میں پوگل پرستان کالمبا پھیلا ہوا پہاڑی علاقہ ہے۔ جوجنوب مشرق میں سومڑ اور ہڑوگ تک پھیلا ہوا ہے۔ یہاں پر بھی کشمیری زبان بولی جاتی ہے لیکن بیشتر لوگ گوجری ور پوگلی زبان بھی بولتے ہیں کلچر اور تہذیب وتمدن زبان اورلباس کے اعتبار سے بانہال کا علاقہ مجموعی طور پر خالص کشمیری علاقہ ہے اور یہاں کی آبادی سوالاکھ سے زیادہ نفوس پر مشتمل ہے۔ قصبہ میں کچھ گنتی کے ہندو ہیں جو ڈوگری بولتے ہیں قصبہ بانہال کے نواحی دیہاتوں میں، مختلف اولیائے کرام اور بزرگان دین کے روضات موجود ہیں جو یہاں اشاعت اسلام کی غرض سے آتے رہے ہیں اور بعد میں کئی ایک بزرگ یہیں پر مدفون ہوئے۔

ادبی پس منظر:

شخصی دور حکومت میں جب مہاراجہ پرتاپ سنگھ گدی نشین تھےاور وادی کشمیر میں فارسی زبان وادب کا دور دورہ تھا۔ اس وقت بانہال میں مولانا احمد بانہالی فارسی زبان کے ایک نامور عالم دین اورنعت گوشاعر مانے جاتے تھے جن کو وادی کشمیر کے علمی اورادبی حلقوں میں بھی کافی احترام اورعزت کی

نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔آپ کا فارسی کلام آپ کی فارسی دانی پر پوری گرفت اور علمی بصیرت کا ترجمان اور آئینہ دار مانا جاتا ہے۔مرحوم احمد بانہالی بانہال کے موضع کسکوٹ کے ایک دیندار خانوادہ سے تعلق رکھتے تھے۔کہا جاتا ہے کہ تحصیل ڈورہ شاہ آباد کشمیر سے تعلق رکھنے والے کشمیری زبان کے نامور رومانی شاعر کو بھی مرحوم احمد بانہالی کا شرف تلمذ حاصل رہا ہے۔مولانا کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ ۱۳۰۱ھ میں رحلت کر گئے اور اپنے ہی آبائی گاؤں کسکوٹ میں مدفون ہیں۔ بانہال کے دوسرے اہم شاعر مرحوم عبدالرحیم اعما بانہالی ہیں جنہوں نے کشمیری زبان میں ''گُلبدن نونہال'' کے نام سے ایک زندہ جاوید عشقیہ مثنوی تحریر کی ہے۔جس میں نعت و مناقب کے بشمول قریباً دو ہزار سے زیادہ اشعار ہیروں کی طرح جڑے ہوئے ہیں۔ مثنوی گل بدن نونہال'' کو صوبہ جموں میں وہی رُتبہ حاصل ہے جو وادی کشمیر میں نامور شاعر مقبول کرالہ واری کی مثنوی ''گلریز'' کو دیا جاتا ہے۔اس علاقے کا اور ایک شاعر مولوی حلیم کسکوٹ کا رہنے والا تھا جو اچھے شعری ذوق کا مالک تھا اور اس گاؤں کے رئیس خواجہ حمزہ کا ہم جلیس تھا۔مولوی حلیم کا فرزند خاکی بانہالی بھی صاحب تصنیف شاعر گزرا ہے۔اعما عبدالرحیم کے بعد آنے والے شعرا میں بانہال میں طاؤس بانہالی کا نام سرفہرست ہے جس کا تعلق بھی اسی کسکوٹ گاؤں کے ایک موڑہ ہاڑبیر سے ہے جو کسکوٹ کے مولانا احمد بانہالی کی جائے پیدائش اور جائے مدفن ہے۔طاؤس بانہالی کی شخصیت اور فکر و فن سے متعلق تذکرہ آنے والے صفحات میں دیکھا جاسکتا

ہے۔ بانہال کے شُعرأ میں مرحوم احمد بانہالی اور اعما عبدالرحیم کے بعد مرغوب بانہالی کا نام خاص شانِ ادب کا حامل ہے۔ جو دو درجن کے قریب کتابوں کے مصنف ہیں اور جنکی شاعری اور ادبی خدمت کا اعتراف قومی سطح پر موجود ہے۔ وہ اس صوبہ کے پہلے کشمیری ساہتیہ اکادمی ایوارڈیافتہ شاعر اور فیلوشپ یافتہ ہیں بانہال میں آج کل بہت سے نئے چہرے زبان ادب کی آبیاری میں مصروف ہیں اور کئی ادبی تنظیمیں زبان وادب کی خدمت سے وابستہ ہیں۔

☆

طاؔوس بانہالی۔ایک تعارف

ولادت،نسب نامہ، حالات زندگی

سروؔر سے رسول طاؔوس تک:۔طاوس بانہالی کا اصلی نام سکول ریکارڑ میں غلام رسول خان درج ہے۔لیکن آپ اپنے گھر، گاؤں اور سکول میں لسہّ خان (رسول کا مُخفف) کے پیارے نام سے معُروف تھے اور بعد میں آگے چل کر رسول طاوس بانہاؔلی کے نام سے شہرت کی منزلیں طے کرتے رہے۔ آپ ۲۸ رنمبر ۱۹۳۳ء کو قصبہ بانہال کے دائیں عقب قریباً دو کلومیٹر دُور مغرب کی جانب موضع کسکوٹ کے موڑہ ہارڈ بیر میں قریباً آٹھ دس گھرؤں پر مشتمل محلّہ خان پورہ میں پیدا ہوئے۔بانہال جو مجموعی طور پر ایک خالص کشمیری علاقہ ہے اُس وقت صوبہ جموں کی اُودھمپور تحصیل میں شامل تھا۔ طاوس کے آباواجداد کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ آفریدی پھٹان تھے اور پاکستان کے سرحدی علاقہ مردان کے ضلع سوات سے متعلق تھے جو افغان دور حکومت میں وہاں سے ترکِ سکونت کر کے پہلے کشمیر اور پھر وہاں سے اِس خاندان کے کچھ لوگ بانہال میں آ کر اِسی گاؤں میں یہاں آباد ہو گئے جہاں پر یہ اب قریباً چھ پشتوں سے بود وباش رکھتے ہیں۔طاوؔس کے والد کا نام

خواجہ احد خان تھا جوایک خوش باش اور باثروت زمیندار تھا، اور محکمہ ابریشم میں ایک سرکاری ملازم کی حیثیت سے بھرتی ہوکر تاحیات اِس محکمہ میں خدمت انجام دیتا رہا۔ احد خان کو لکھنے پڑنے کی اچھی مہارت حاصل تھی وہ خوش قلم بھی تھا اور اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت میں کافی محتاط اور کوشاں رہتا تھا۔

طاوس اپنے والدین کا تیسرا فرزند تھا۔ اُس سے پہلے اُن کے ہاں دو بیٹے پیدا ہوئے جو یکے بعد دیگرے ڈھائی ڈھائی برس کی عمر کو پہنچ کر اللہ کو پیارے ہوگئے۔ جس سے آپ کے والدین کو کافی صدمہ ہوا۔ آپ کی والدہ جسمانی عارضہ میں مبتلا ہوگئی اور والد ذہنی پریشانی میں مبتلا ہوگیا۔ اتفاق سے کسی خدا رسیدہ بزرگ کا اِن کے ہاں گزر ہوا جس نے کچھ ہلکی پھلکی دوائی تجویز کردی اور آپ کی والدہ روبہ صحت ہوگئی اور اُن کے ہاں ایک اور لڑکا تولد ہوا جس کا نام سرفراز رکھا گیا۔ سرفراز ابھی مادرِ آغوش میں ہی تھا کہ ایک مردِ فقیر اِن کے گھر میں آگیا اور اِس بچے کا نام تبدیل کرکے اس کا نام غلام رسول تجویز کیا۔ غلام رسول کو اب اپنے گھر والے (لسہٓ) کے مُخفف سے بھی پکارنے لگے۔ لسہ کے معنے ہیں ''زیادہ جیو''۔ غرض آپ لسہ کے نام سے گھر میں پکارے جانے لگے اور بعد میں سکول میں بھی ''لسہ خان'' کے نام سے ہم جماعتوں میں معروف ہوگئے۔ طاوس کے ہاں اِس کا تذکرہ یوں ملتا ہے ''امی کہتی تھی کہ میرا نام سرفراز رکھا گیا تھا لیکن کسی پیر نے عرضیت کے طور پر'' لسہ'' اس لئے رکھا کہ ''لسہ'' کا مطلب ''زندہ رہو'' کے ......اور شاید اِس

۱۔ کاشر شاعری مرتبہ ڈاکٹر یوسف نجاری ۳۵۹

دُعائیہ نام سے میں طویل عمر پاؤں گا[۱]۔

طاوس نے عربی اور فارسی کی ابتدائی تعلیم گھر میں حاصل کی اور پھر پرائمیری جماعت تک اپنے آبائی گاؤں کے مدرسہ چاچھال میں داخل ہوئے۔ یہ مدرسہ بعد میں کسکوٹ گاؤں میں منتقل کیا گیا اور اب ایک ہائی سکول بن گیا ہے۔ پانچویں جماعت کے بعد آپ قصبہ بانہال کے مڈل سکول میں داخل کیئے گئے جہاں آپ آٹھویں جماعت تک زیر تعلیم رہے۔ بقول طاوس ''میرے والد اپنے خاندان میں پہلے آدمی تھے جنہوں نے باقاعدہ طور پر پرائمیری تک تعلیم پائی تھی اور میں نے ابتدا میں فارسی، عربی اور اردو اُن سے ہی پڑھی[۱]۔

طاوس کا چہرہ گندمی تھا۔ قد درمیانی اور دُبلا سا تھا۔ آپ بچپن سے ہی خدا داد ذہانت کے مالک تھے۔ اپنے ہم جماعتوں میں پیش پیش رہتے تھے۔ گانے بجانے اور شعر و سنگیت کی دُھن بچپن سے ہی آپ کے ذہن پر سوار تھی۔ اکثر و بیشتر اپنے کلاس میں اور راستے چلتے سر ہلاتے ہوے اور کچھ گنگناتے ہوئے اپنے آپ میں مست نظر آتے تھے۔ ابھی چھٹی جماعت میں ہی تھے تو فقرے جوڑنا شروع کردئے تھے اور اپنے ہم جماعتوں کو سُنایا کرتے تھے۔ بقول طاوس ''چھٹی جماعت میں ہم نے اپنی پہلی نظم کسی کے حسن و جمال کی شان میں لکھی تھی جس پر ہیڈ ماسٹر صاحب نے خوب پٹائی کی تھی[۲]''۔

سکول میں جب بھی کم و بیش ادبی پروگرام منعقد ہوتے، طاوس ان

۱۔ ماہنامہ اخبار اُردو اسلام آباد۔ سعدیہ ثروت ۱۴۵

۲۔ ماہنامہ اخبار اردو۔ سعدیہ ثروت ۸

پروگراموں میں پیش پیش ہوتے دکھائی دیتے، بقول پروفیسر مرغوب بانہالی،
''غلام رسول خان نام کا یہ تیز طرار لڑکا جو مجھ سے چار سال آگے تھا اور آٹھویں جماعت میں پڑھتا تھا ایک عجیب مخلوق نظر آتا تھا۔ خاص کر جب سکول میں اُس نے اُس ڈرامہ میں مرکزی رول ادا کیا جس میں دو عوامی لُٹیرے سادھوں کا بھیس بنا کر ایک دسرے کے ساتھ یوں گویا ہو جاتے تھے۔

''جیا جپ، میں بھی جپوں تو بھی جپ''
''یہ ٹھگی کب تک چلے؎۱''
''جب تک چلے تب تک سہی''۔

اس ڈرامہ میں طاوس نے ایسا رول نبھایا کہ اُس نے شایقین کا دِل مؤہ لیا اور وہ پورے سکول اور علاقے کی نظروں میں سمونے لگا۔ طاوس کبھی کبھی اپنے ہم جماعتوں کو طنز و شرارت کا نشانہ بھی بنا دیتا تھا اور ایسے موقوں پر آپ کے یہ ساتھی اُس کو طنزاً ''کبرٹے'' کے نام سے بھی پکارتے تھے۔

لگ بھگ یہی وہ ایام تھے جب بانہال علاقہ کے پہلے نوجوان تعلیم یافتہ مرحوم میر اسدُ اللہ (جو بعد میں ریاست کے ایک فعال وزیر کابینہ رہے) اور جسٹس ٹھاکر دیوی داس (جو شیخ محمد عبداللہ کی سرکار میں نایب وزیر اعلیٰ اور بعد میں آسام کے گورنر رہے) ایل، ایل، بی کی ڈگریاں پاس کر کے آئے تھے اور اُن کی تعلیم کا چرچا کیا جا رہا تھا۔ طاوس کے والد احد خان کی دِلی تمنا تھی کہ اُس کا فرزند لسہ خان بھی اونچی تعلیم سے آراستہ ہو کر عوامی خدمت کا اہل بن جائے اور لوگوں میں اپنا نام کمائے احد خان اگرچہ درسی اعتبار

---

۱ کشیر بالا بارہ۔ مرغوب بانہالی

سے کم پڑھا لکھا تھا لیکن وہ تعلیم کی قدر و قیمت سے پوری طرح سے آشنا تھا۔ وہ یہاں کے اچھے لوگوں میں اُٹھتا بیٹھتا تھا اور جس مجلس میں بھی شریک ہوتا اُسے اپنی بزلہ سنجی اور حاضر جوابی سے زعفران زار بنا دیتا تھا۔ وہ ہر طرح کے لوگوں سے اپنے اپنے مزاج کے مطابق پیش آتا تھا اور سب لوگ اُس کو احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

احد خان گھر سے ایک فراخ دِل زمیندار تھا اور مہمانوں اور مسافروں کے لئے اُس کے گھر میں ہر وقت دروازہ کھلا رہتا تھا۔ اگر اُس کا کوئی دوست یا کوئی مسافر اُس کے گھر میں کھانا کھانے سے کتراتا تو اُس کو موٹی موٹی گالیاں سنا کُر کھانا کھانے پر مجبور کرتا تھا۔ یہ بھی اُس کی فراخ دِلی کی ایک پیاری ادا تھی۔ اُس کی اِس طرح کی اور بھی بہت سی باتیں گویا یہاں محاورہ بن کر رہ گئی ہیں۔ وہ اپنے فرزند طاوس کے گانے کے شوق کو پسند نہیں کرتا تھا اور خاص کر اُن دنوں میں یہ کچھ نیچ طبقوں کے لوگوں کا ہی کام سمجھا جاتا تھا۔ طاوس اپنے والد سے چھپے چوری اپنا یہ شوق پورا کرتا تھا جس کا وہ یوں ذکر کرتے ہیں۔

"اپنے بارے میں جو بچپن کی باتیں مجھے یاد آتی ہیں اُن میں سرفہرست گانا بجانا اور داستانوں کی کتابیں پڑھنا ہے۔ یعنے جب ہمارے گھر اور ہمارے ہمسایوں اور اقارب کے گھروں میں موسم سرما کی لمبی سرد راتوں میں منظوم کشمیری کتابیں پڑھی جاتی تھیں۔ یہی تین چیزیں یعنے گانا، گیت اور روحانی عشقیہ مثنویاں پڑھنے کا شوق مجھے ہمیشہ گلوگیر رہا۔ میں بہت چھوٹا اور نو آموز ہی تھا کہ میں کشمیری کتابوں کو فر فر سے پڑھ لیا کرتا تھا اور اپنی خوش

الحانی کے سبب گاؤں کے سبھی گلوکاروں کے بیچ اپنی سُریلی ترنگوں کا جادو جگا دیتا تھا۔ میرا والدِ محترم نہ صرف اپنے گاؤں کا بلکہ اپنے پورے علاقے کا رومانی ہیرو تھا۔ خوشحال، خوبصورت، بہادر، خوش آواز اور پڑھا لکھا ہونے کے سبب بانہال علاقے کا ایک مُہم جو اور میرا آئیڈیل بھی۔ مگر المیہ یہ تھا کہ گانے سے لیکر مثنویاں پڑھنے تک اور تمبا کو نوشی سے لیکر بچوں کے ساتھ کھیلنے تک میرے ساتھ انتہائی ظالمانہ سلوک روا رکھے ہوئے تھا۔ آٹھویں جماعت تک میرے ساتھ یہ ظُلم کا برتاو جاری رہا۔ لیکن بہ ایں ہمہ میں اپنے اِن مشاغل کو پورا کرنے سے باز نہ رہ سکا"[۱]۔ (ترجمہ کشمیری سے)

ایک اور جگہ بھی اپنے اسی طرح کے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔
"دوسری جماعت سے لیکر پانچویں جماعت تک ہمارے ماحول کی الماریوں میں جتنی کشمیری مثنویاں تھیں وہ ہم نے پڑھ ڈالیں۔ گانے سنُنے کا شوق شاید اول ہی سے تھا۔ امّی کی لوریاں۔ ساجدہ آپا (طاوس کی ایک رشتہ دار) جو اَن پڑھ تھیں۔ (ترجمہ)

لیکن کچھ روحانی مثنویوں کے ٹکڑے اسے زبانی یاد تھے سناتی تھیں۔ یہ مثنویاں بڑھے گھروں میں سردیوں کی طویل راتوں میں شوق سے پڑھی جاتی تھیں۔ لیلا مجنوں شیرین فرہاد سے لیکر مقامی قصوں تک ہر جگہ عشق حقیقی کی اِن تمثیلوں میں مثالیت پسندی اور تصوف کی گہرائی موجود ہوتی۔ ہم نے ابا جان سے پند نامہ اور کریما نامِ حق پڑھی تھی اس لئے خاصے سمجھدار تھے"[۱]۔
آگے چل کر کہتے ہیں "کہ عرب و عجم کا بہترین ملاپ اسلام کی صورت

۱۔ مکتوب طاوس بنام سعید محمد یوسف بخاری۔

میں کشمیر میں ہوا اور وہاں پنڈت کے بچے مسلمانوں کے بچوں کے ساتھ میں فارسی پڑھا کرتے تھے"۔

بانہال میں اُس وقت صرف آٹھویں جماعت تک تعلیم کی سہولت میسر تھی اور اُس سے آگے حصول تعلیم کے لئے یہاں کے طلبا کو اُدھمپور، جموں یا اننت ناگ (کشمیر) جانا پڑتا تھا۔ اِس لے طاوس کو بانہال سے قریباً ۴۰ کلومیٹر دور اننت ناگ کے حنفیہ سکول میں داخل کردیا گیا۔ طاوس کو اپنے والد نے پہلے اپنے ایک رشتہ دار واقع آکھرن (اننت ناگ) کے گھر میں رکھا جہاں اس کو اپنے گھر کی طرح سہولیات میسر تھیں لیکن یہ جگہ اِس کے سکول سے قدرے دوری پر واقع تھی۔ طاوسؔ کو سکول آتے جاتے میں دانتر کے مقام پر ایک دوکاندار کے ساتھ جس کا نام غلام محمد ڈار تھا اور پیشے سے زرگر کا کام کرتا تھا مراسم پیدا ہو گئے، وہ بھی طاوس کی عمر کا جوان سال لڑکا تھا اور کالج کے نزدیک اُس کا مکان ہونے کے سبب طاوس اُس کے پاس بھی کچھ وقت رہتا تھا۔ لیکن بعد میں کالج کے ہوسٹل میں منتقل ہو کر ڈھیر سال تک وہیں قیام کیا۔ طاوس خوش آواز تھا اور گانے بجانے کا شوق رکھتا تھا۔ اس لئے اپنے دوستوں کا منظور نظر بن گیا۔ نویں جماعت کا طالب علم تھا تو شعر گوئی کا شوق صفحہ قرطاس کی زینت بننے لگا۔ اور غمگینؔ کے قلمی نام سے رواں بحروں میں اشعار موزون کرنے لگا۔ اُن ایام کے دوران کی ایک غزل کا یہ مطلع۔

یارن کرنس ضایے لولو ونہ کس لانکی نیایے لولو
غمگینؔ ہوش کر زار موفاش کر بدنام چھکھ جایہ جایے لولو

پرِ طاوس اور سمتِ پرواز

طاوس اگرچہ پڑھنے لکھنے میں اپنے ہم جماعتوں میں طاق تھا اور اپنے اساتذہ کے دلوں میں بھی جگہ بنا چُکا تھا اور اِس کے علاوہ اُسے کوئی مالی دشواری بھی سِد راہ نہ تھی ۔لیکن اِسے ستم ظریفی کہیئے یا کہ آب ودانہ کی کشاکش کہ طاوس کا دِل نہ جانے کن موہوم خوابوں تمنا کو لیکر اپنی عیش وعشرت کی زندگی کو خیر باد کرنے پر تُل گیا۔ اُس کا دِل روز بر روز اُچاٹ ہونے لگا اور پڑھائی سے اس کی توجہ کسی اور جانب جانے لگی۔ ایک دِن جب رات کو بارش ہوگئی تھی تو اُس نے علی الصبح اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ فرار ہوکر سرحد پار کرنے کی راہ اختیار کی۔

ہر چند کہ دوسرے ہی روز اُس کے دوست کے گھر والے اور طاوس کے دانتر والے رشتہ دار اُن کے تعاقب میں کپوارہ تک پہنچ گئے ۔لیکن وہ اِس سے پہلے ہی کسی طرح سے جنگ بندی لاین کو عبور کر کے مظفر آباد کی حدود میں داخل ہو چکے تھے ۔اِس واقعے کا ذکر طاوس کے ہاں کچھ یوں ملتا ہے

''نویں جماعت میں مجھے اسلام آباد کے حنفیہ سکول میں داخل ہونا پڑا جہاں میں قریباً ڈھیر برس تک آزادی کے ساتھ عیش لُٹاتا رہا۔ اسلام آباد میں میں نے اپنے کئی ہم جماعتوں کے ساتھ اُن کے گھروں میں جا کر شاعری اور موسیقی کی کچھ ایسی محفلوں سے لطف اندوز ہونے کی سعادت حاصل کی جن میں گُل بکاولی کے مُصنف ''لسہ خان فدا، اسلام آباد کے حنفیہ سکول کے سخت گیر فارسی اور اُردو استاد غلام نبی میر ہیڈ ماسٹر محمد رمضان، اسلام آباد کی مشہور ادبی اور سیاسی شخصیت غلام محمد زندہ دل جیسی شخصیات موجود ہوا کرتی تھی۔ اُردو، کشمیری اور فارسی صوفیانہ شاعری کو باقاعدہ طور پر سازوں پر گایا جاتا تھا۔ اِن محفلوں میں جانے سے مجھ پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ شاید اسی جنونی کیفیت میں ہی اُس سال پاکستان میں آ پہنچا۔ والد صاحب نے بڑی اور ضخیم کاپیاں خرید کر دی تھی۔ جن میں دو کاپیوں پر میں نے کشمیری غزلیں لکھی تھیں۔ جس روز ہم ہوسٹل سے بھاگے بارش ہو رہی تھی اور جہلم میں سیلاب آیا ہوا تھا۔ ہم نے باقی ساری کتابیں ہوسٹل میں چھوڑ دیں۔ صرف اِن دو شاعری والی کاپیوں کو سیلاب کی نذر کر دیا تا کہ والد صاحب کو یہ دیکھ کر صدمہ نہ ہو کہ میرا بیٹا بھی میری طرح عاشق مزاج نکلا[۱]۔ آگے چل کر طاوس مظفر آباد پہنچ کر یوں اپنا احوال بیان کرتے ہیں۔

''آزاد کشمیر کی سرحد پر پاؤں دھرنے میں مجھ پر دُنیا کی تلخ حقیقت واضح ہوگئی۔ آزاد کشمیر کے ریڈیو کے اسٹیڈیو میں پہنچ کر میں نے کیا پایا اور کیا کھویا یہ بھی اب بے معنے معلوم ہوتا ہے اور فراق گورکھپوری کے ایک پرانے

۱؎ مکتوب [illegible] راولپنڈی ۱۹۸۲ء (کشمیری سے اُردو میں ترجمہ) [illegible] منشور

شعر کی یاد تازہ کرتا ہے۔

ترکِ محبت کرنے والو کون ایسا جگ جیت لیا
عشق سے پہلے کے دن سوچو کون ایسا سُکھ ملتا تھا

اِس طرح سے مارچ ۴۹ء میں طاوس سرحد کو پار کر کے مظفر آباد پہنچ گیا۔ سرحد کو عبور کرنے کے بعد آپ کو جاسوسی کے الزام میں گرفتار کیا گیا اور مظفر آباد جیل میں رکھا گیا۔ طاوس کی عمر اُس وقت قریباً سولہ برس کے قریب تھی۔ جیل کے اِس واقعہ کی صعوبت کی روداد آپ کے ہاں کافی بعد میں ایک نظم کی شکل یوں اختیار کر لیتی ہے۔

○

نیا گوتم
میں کپل وستو کا شہزادہ نہیں
دردمندی کی ہوئیں نِروان کی خواہش
کبھی دل میں سمائی ہی نہیں
میں تو برگد کے تقدس سے بھی تھا نا آشنا
اور آج بھی چھاؤں کی حد تک درختوں سے ہے دوستی
میں اب ایسا طِفلِ مکتب ہوں
ذرا سی بھول پر جو سرزنش کے خوف سے

جنگل کی جانب چل پڑے
کیا خبر کوئی منوجی کا کوئی چیلہ ہو
یا پھر چانکیہ جی کا کوئی مخبر ہی ہو
میں اُمید و بیم کی سرحد سے ہوتے
شاردا کے کھنڈروں تک آ گیا
اور پھر شاردا کے پُل پر اِستادہ سپاہی نے کہا
''لو میاں ایک اور جاسوس انڈیا کا آ گیا''۔
''میں تو جہلم جا کے بھرتی فوج میں ہو جاؤں گا''۔
تم جو کشمیری ہو کبڑے خان
سپاہی ہنس دیا
یوں وصال صبح کا ارمان فراق صحبت شب بن گیا
اب کوئی منزل کوئی جادہ نہیں
میں کپل وستو کا شہزادہ نہیں[1]''۔

طاوس جب آزاد کشمیر پہنچے تو وہاں کا تجربہ کچھ اچھا نہ لگا اور سوچنے لگے کہ اصل میں اُنہیں پاکستان جانا چاہتے تھا۔ خیر جوں توں کر کے پاکستان پہنچے اور دریافت کر کے اپنے ایک عزیز دوست نازؔ کولگامی سے جا ملے جو بذاتی سوپٹ کولگام (اننت ناگ) کے رہنے والے تھے اور ہجرت کر کے پاکستان میں مقیم ہو گئے تھے۔ آپ چھ ماہ تک اُن کے پاس ٹھہرے۔ ناز اُسوقت اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کیلئے لندن جانے کی تیاری میں مصروف تھا۔ انہوں نے اپنے ایک جان پہچان کے دوست محمود نظامی سے طاوس کا

تعارف کرایا۔ (جو اس وقت ریڈیو مظفر آباد میں ڈائریکٹر تھے۔) اُنہوں نے طاوس کو عارضی طور پر ریڈیو میں منسلک کر دیا۔ طاوس کی عمر اس وقت سترہ برس کے قریب تھی اُس وقت وہاں پر مرحوم مختار صدیقی ریڈیو میں اُردو اَدب کا ایک معروف نام تھا، جنہوں نے طاوس کی تربیت میں کافی ہمدردی سے کام لیا۔ اُن کے علاوہ وہاں پر عبدالحمید کاظمی نام کے بھی ایک اور آزمودہ کار ادیب ریڈیو میں تھے۔ انہوں نے بھی طاوس کو اپنے چھوٹے بھائی کی طرح خیال رکھنا شروع کیا۔ طاوس مختار صدیقی کو شاعری سے لیکر زبان و ادب اور براڈ کاسٹنگ میں اپنا اُستاد اور رہبر تسلیم کرتے تھے۔ بقول طاوس "ریڈیو میں جن شعرا اور اُدبا کے ساتھ میری شناسائی ہوئی اُن میں کوئی بھی باقاعدہ طور پر کشمیری زبان میں فکر شعر نہیں کرتا تھا۔ لیکن اُردو شعرا میں مجھے مختار صدیقی صاحب کے ساتھ سب سے زیادہ اُنس تھا۔ حالانکہ اُن کے ساتھ میں نے قلیل ہی عرصہ گذ؛را لیکن شاعری اور موسیقی سے متعلق میں بہت حد تک اُن کو اُستاد تصور کرتا رہا۔ اس اثر پذیری کا ایک فائدہ یا نقصان یہ ہوا کہ اصل شاعری یا ناحق شاعری یا شوقیہ ادب کے درمیان تفادت کرنے کا شدید احساس مجھے ہر وقت دامن گیر رہا۔ اُستادانِ فن کے مقابلے میں مجھے اپنے ہم عصر شعرا کا کلام نہ صِرف کم مایہ محسوس ہوا بلکہ یہ خیال یقین کی صورت میں بدل گیا کہ فن شعر بلکہ تمام فنون لطیفہ ایک فنکار کو بیعت کرا کے اپنی پوری زندگی فنِ کے تیئں وقف کرنے کو مشروط کر دیتے ہیں...... اس لئے کچھ نہ کچھ کرنا ترجیعی بنیادوں پر فرض بن جاتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ سچ بولنے کے لئے سلیقہ کے علاوہ جُرات مندی کا ہونا ضروری ہے میرے لئے اصل رکاوٹ یہ ہے کہ میں

کشمیری زبان میں کلام موزون کرنا چاہتا ہوں لیکن نہ مجھے سننے والا کوئی ہے اور نہ چھاپنے والا اور نہ مجھے اب فراغت حاصل ہے"۔[۱]

۱۹۵۰ء میں طاوس نے ایک عارضی فن کار کی حیثیت سے ریڈیو ترالڑکھل میں کام کرنا شروع کیا ایک دِن بقول اُن کے جب اُن کا موزون کیا ہوا کلام مختار صدیقی کی نظر سے گذار تو انہوں نے طاوس کا حوصلہ بڑھایا اور اُن کے مشورے پر ہی طاوس نے اردو میں شعر کہنا شروع کیا اور طاوس کے قلمی نام سے لکھنا شروع کیا۔ آپ کی پہلی نظم جو آپ کی ایک کشمیری نظم کا ترجمہ تھی جو انہوں نے خود کیا ہوا تھا ریڈیو ترالڑکھل سے نشر ہوئی۔ جس کا مطع حسب ذیل تھا۔

راہ ورسمِ کُہن کی بات چلی
قیس اور کوہ کن کی بات چلی

چنانچہ بہت سے لوگوں کی کشمیری زبان سے ناواقفیت کے باعث آپ جو کچھ تحریر کرتے تھے اُس کا اُردو ترجمہ بھی ضرور کرتے اور یوں آپ کی شاعری اور موسیقی سے محبت کا دور شروع ہوتا ہے۔ شاعری اور موسیقی آپ کے نزدیک الگ الگ فن نہیں ہیں"۔ کہا جاتا ہے کہ ۱۹۵۱ء میں طاوس وہاں کسی مزدُور کانفرنس نام کی تنظیم کے سکریڑی رہے اور فرضی ناموں کے کالم بھی لکھتے رہے لیکن بعد ازاں کانفرنس کی رکینت جلدی ترک کردی،،[۲]

طاوس نے ۱۹۵۴ء میں میٹرک کا امتحان بطور ایک پرائیویٹ اُمید وار کے پاس کیا اور پھر ۱۹۶۷ء میں اُردو میں ہی ایک پرائیویٹ اُمیدوار کی

---

۱ ۲ ۔مکتوب بنام یوسف بخاری۔ یزی پوش ۲۰۰۴ء ۱۹ء ترجمہ منشور بانہالی

حیثیت سے ایم،اے،اردو کا امتحان پاس کیا۔

یہ احوال نامہ طاوس کے ہاں یوں پڑھنے کو ملتا ہے۔''۱۹۵۰ء سے لیکر ۱۹۶۰ء جو ایام گزرے وہ ہر لحاظ سے آزمائش کے سال تھے۔اردو میں اظہار فن کرنے والے لوگ بہت سارے تھے مگر کشمیری میں فن یا ادبی لحاظ سے ہاتھ بٹانے والا کوئی نہ تھا۔میرے پیشرو کشمیری میر غلام احمد کشفی صاحب احمد شمیم صاحب وغیرہ بنیادی طور پر اردو میں ہی فکر و فن کا اظہار کرتے تھے۔کسی کشمیری کتاب کا دستیاب ہونا یا کسی کشمیری اخبار یا جریدے کا فراہم ہونا میرے لئے ایک خواب کی مانند تھا۔مالی وسائل ادبی وسائل سے بھی محدود تھے اِن دس سالوں کے دوران میں نے شعبہ اردو میں تقریر اور تحریر کے حوالے سے یہاں کے ادیبوں شاعروں اور موسیقاروں سے بہت استفادہ کیا۔۱۹۶۱ء میں راقم نے کیجول سٹاف آرٹسٹ رہنے کی بجائے نیوز ٹرانسلیٹر کی حیثیت سے باقاعدہ ملازمت اختیار کی اور اِس باقاعدگی کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۹۶۳ء میں میں نے اردو ادب میں ایم،اے، کا امتحان پاس کیا[۱]۔آپ ریڈیو تراڑکھل اور اسلام آباد ریڈیو کے شعبہ خبر سے ۱۹۶۱ء سے ۱۹۶۳ء تک وابستہ رہے۔اِس دوران آپ کی پُرکشش آواز اِس ادارے کی ایک خاص پہچان بن گئی۔آپ کے اِس پرکشش لہجہ سے متعلق ڈاکٹر صابر آفاقی یوں اظہار رائے کرتے ہیں۔''جب میں نے طاوس کو ریڈیو پر خبریں پڑھتے سُنا تو مجھے اُس کی آواز میں عجب طرح کی کشش محسوس ہوئی اور اُس سے ملنے کی

۱۔مراسلہ طاوس بنام ڈاکٹر محمد یوسف بخاری چیرمین شعبہ کشمیریت۔پنجاب یونیورسٹی لاہور۔مارچ ۲۰۰۴ (غیر مطبوعہ)

خواہش پیدا ہوگئی۔ .... اور پھر تعارف کے بعد طاؔوس نے غنیؔ اور عرفیؔ کے ایسے ایسے اشعار سُنائیے کہ میں اُن کی فارسی دانی اور حافظے پر ششدر رہو کر رہ گیا .... پھر مجھے طاوس کی خردِ ماغی نے متاثر کیا وہ میری طرح کا ایک خرد ماغ ہے بلکہ مجھ سے بھی بڑا خرد ماغ۔ وہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتا۔ نوکری کے آداب سے واقف نہیں۔ رموزِ ملک وہ نہیں جانتا۔ سچ بولتا ہے۔ سچ سُن کر خوش ہوتا ہے۔ دشمنوں کا دشمن اور دوستوں کا بے ریا دوست"[۲]۔

طاوس کے ذہن میں اپنے والدین کے پاس آنے کی خواہش ہر وقت ذہن میں جاگزین رہی ہے جس کا اظہار اُن کے مکاتب میں دیکھا جاسکتا ہے۔ ریڈیو کی ملازمت کو بھی وہ آواز کے اِسی رشتے کے نام سے اختیار کرنا پسند کرتے رہے۔ "اگرچہ ریڈیو میں کم پیسے ملتے تھے مگر ذہن میں یہی تصور رہتا تھا کہ کشمیر واپس بھی جانا ہے۔ ریڈیو کے جو حالات تھے وہ آئیڈیل تو نہ تھے مگر لکھنے اور بولنے کی آزادی تو تھی ...... ریڈیو پر میں خبریں اس لئے پڑھتا ہوں کہ بانہال سرینگر میں بیٹھی ہوئی میری ماں میری آواز سُنتی ہے اور اب اُس کے اور میرے درمیان آواز کا رشتہ رہ گیا۔ میری آواز سُن کر اُسے پتہ چلتا ہے کہ میرا بیٹا زندہ ہے۔ مگر میرا دُکھ یہ ہے کہ میں اُس کی آواز بھی نہیں سُن سکتا۔ اِس کے بعد آپ کسی گہری سوچ میں چلے جاتے تھے"[۱]۔

شادی۔ ۱۴/۱ اکتوبر ۱۹۶۷ء کو طاوس کی شادی ارشاد عرف عائشہ نام کی ایک لڑکی سے ہوگئی جس کا والد اصل میں سرینگر کا رہنے والا تھا اور یہاں سے ہجرت کرنے کے بعد اُس کی شادی ایبٹ آباد پاکستان میں ہوئی تھی اور

---

[۱] طاوس بانہالی کی ادبی خدمات — (گلشن آرا)

آپ کے پانچ بچے ہوئے تھے۔ دو لڑکیاں اور تین لڑکے۔ بڑی لڑکی کا نام فاطمہ تھا جس کی شادی بنگلہ دیش میں ہوئی اور تینوں لڑکے انتقال کر گئے تھے۔ چھوٹی لڑکی طاوس کے رشتہ ازدواج میں آ گئی۔ بقول طاوس ہماری شادی ۱۹۶۷ء میں اس وقت ہوگئی جب دنیا میں کچھ اور کرنے کو نہ رہا تھا۔ اور ہم سیاست، عشق، نوکری، غرض سب باتوں میں ناکام ہو چکے تھے۔ ایک راستہ خودکشی کا تھا لیکن یہاں لٹریچر نے بچایا اور قسطوں میں زندہ رہنے یا شاعری کرنے کے راستے پر ڈال دیا۔ سو آج تک چل رہے ہیں۔ بیوی ہم سے نالاں ہے کہ ہمارے پاس کوئی گھر کوئی پیسہ۔ کوئی زمین اور جائیداد نہیں دوست احباب اور رشتہ دار بھی نہیں اور ہم خوش ہیں کہ کہ ہمارے ساتھ ریڈیو کی اچھی دوست (جسے تقدیر بنگلہ دیش لے گئی۔ کیوں کہ اس نے ڈھاکہ کے ایک پاکستانی سے شادی کر لی) فاطمہ کی بہن عائشہ عرف ارشاد یا شاد صاحبہ بھی ناشاد ہو کر زندگی بسر کر رہی ہیں۔[۱]

طاوس اپنے چھوٹے بھائی کو اپنی شادی کے بارے میں یوں آگاہ کرتے ہیں۔

بھائی صاحب قبلہ! اِس خاکسار اور میری بیوی نے جو آپ کی بھابی ہوتی ہیں اپنی شادی کے چوتھے روز یعنے ۱۸/اکتوبر ۱۹۶۷ء کو طویل خط لکھے تھے اور ایک تصویر بھی بھیجی تھی۔ مدُعا یہ تھا کہ آپ وہ خط والدین تک بھی پہنچائیں گے۔ لیکن یوں محسوس ہوتا ہے کہ شاید ایسا نہیں ہو سکا ہے۔ (مراسلہ طاوس بنام غلام محمد دلفگار ۸/دسمبر ۱۹۶۷ء) کچھ عرصہ بعد آپ کی بیوی

۱۔ طاوس بانہالی کی ادبی خدمات۔ (گلشن آرا)

اِرشاد نے اپنا نام تبدیل کرتے عائشہ رکھا۔ بقول طاوس ''سارہ کی امی نے اپنا نام تبدیل کر کے عائشہ رکھا ہے۔ یہ شاد کبھی میری بیوی ہوتی تھی اب وہ عائشہ کہلوانا پسند کرتی ہیں۔ بڑی گریٹ لیڈی ہیں۔ مگر مصیبت اور صدموں سے چور ہوکراب اعصابی امراض کی شکار ہے۔

طاوس خود بھی مختلف طرح کے عوارض سے برد آز ما رہے۔'' طاوس بانہالی اپنی صحت کے اعتبار سے ہرگز قابل رشک نہیں ہیں۔ اب تو وہ عمر کے اِس حصے میں ہیں جہاں سے مختلف بیماریوں کو گرفتِ کا موقع مل جاتا ہے۔ طاوس بانہالی کہتے ہیں۔ جوانی سے ہی بیماریاں لاحق ہوگئیں۔ روٹی کپڑا اور مکان ہمیشہ سے ہی مسلہ بنا رہا ہے۔ ہم پیدائشی طور پر ہی بے سلیقہ واقعہ ہوئے ہیں اور ہمیں یہ حسرت رہی۔ فراغتے و کتابے و گوشہ چمنے [1]

۳ر دسمبر ۱۹۷۷ء سے ۱۱ر جنوری ۱۹۷۹ء تک کے درران آپ نے پاکستان براڈ کاسٹنگ کارپوریشن سے ڈراما براڈ کاسٹنگ کورس پاس کیا اور ۱۶ر اکتوبر ۱۹۷۷ء سے آپ پروڈیوسر تعینات ہوئے اور ۶ر فروری ۱۹۸۴ء Language supervisior kashmiri تعینات ہوئے اور ۲۸ر نومبر ۱۹۹۳ء کو گریڈ ۱۸ افسر کے طور پر ریٹایر ہوئے۔

اولاد۔ طاوس کے ہاں دو بٹیاں پیدا ہوئیں۔ سارہ اور راشدہ رسول۔ سارہ نے بقول طاوس کمپوٹر کا امتحان پاس کیا اور راشدہ رسول ڈھیڑ سال تک ایم، بی، بی، ایس کا کورس کرنے کے بعد خرابی صحت سے ڈگری نہ کرسکی بعد ازاں انگریزی کی corier۔ بن کر سعودیہ ایئر لائنز میں

---

[1] طاوس بانہالی کی ادبی خدمات۔ (گلشن آرا)

ملازم ہوگئیں جس کی نسبت طاوس یوں تحریر کرتے ہیں۔ چھوٹی بیٹی اُن کی امّی اور سارہ کی نو دس ماہ کی بیٹی ہر وقت مرے پاس ہوتے ہیں۔ سارہ کے شوہر یہاں جواد حیدر ایک نوجوان میوزک کمپوزر ہیں اور ایک مقامی گراموفون کمپنی میں ملازم ہیں۔ بڑی بیٹی راشدہ رسول آخر اپنی پسند کے شہر لندن میں بسلسلہ ملازمت ہے۔ وہ سعودیہ ایرلائنز میں ملازمت کرتی ہیں۔ یعنے ہر طرح سے اللہ کا احسان ہے"۔ (مراسلہ طاوس) سعدیہ ثروت طاوس کے مشاغل کا کچھ یوں احوال پیش کرتی ہیں۔

"عموماً طاوس اپنے آپ سے باتیں کرتے ہوئے گزر جاتے اور اپنے آپ ہی میں مست رہتے۔ چنانچہ آپ درویشانہ صفت کہلوایے۔ اکثر آپ کا وقت میلوڈی مارکیٹ میں واقع پرانی کتابوں کی دکان پر برٹش کونسل میں گزرتا۔ کوئی مل جاتا موڈ میں ہوتے تو کوئی گہری فلسفیانہ بات کر جاتے اور ہنستے ہوئے چلے جاتے کبھی اپنی بات میں اسقدر ڈوب جاتے کہ وقت کا احساس نہ رہتا۔ طاوس بچوں بوڑھوں اور جوانوں سے اپنے ہمنواؤں تک تمام لوگوں سے ان کی باتیں کرتے اور دوسروں کو ایک ہی ملاقات میں اپنا گرویدہ بنا لیتے ہے[1]۔ طاوس کے بارے میں یہ بات اکثر کہی جاتی رہی ہے کہ آپ بہت ہی فراخ دل اور غریب پرور تھے۔ اگر چہ خود بھی زیادہ فارغ البال نہ تھے لیکن اپنی تنخواہ حاصل کرتے ہی مستحقین کی مدد کرتے رہتے تھے۔ مطالعہ کرنا اور گانا آپ کا خاص شوق تھا۔ آپ کے ایک پڑوس محمد اقبال کے بقول۔ "مجھے جب بھی طاوس کے کمرے میں جانا ہوا۔ وہ کتابیں پڑھتے

---

[1] طاوس بانہالی کی ادبی خدمات گلشن آراء۔

ہوئے۔ ریڈیو سنتے ہوئے یا پھر کچھ تحریر کرتے ہوئے ملے۔ عموماً آپ کی اچھی آواز کے باعث دوست آپ سے گانے کی فرمائش کرتے اور آپ عموماً لتا منگیشکر کا گانا گنگنا دیتے۔

جانا تھا دُور ہم سے بہانے بنالیئے
اب تو نے کتنی دور ٹھکانے بنالیئے
رخصت کے وقت تم نے جو آنسو ہمیں دئے
اِن آنسوؤں کے ہم نے خزانے بنالیئے

اور اکثر للہٖ عارفہ کے دوہوں کو بھی گنگناتے۔

کھینچ رہی ہوں بیچ سمندر کچے دھاگے سے کشتی
کاش خدا میری بھی سُن لے پار اُتارے مجھ کو بھی
مٹی کے کچے برتن سے رستے ہو کے پانی کی طرح
خواہش کی بوندیں بر جاتیں حسرت ہے گھر جانے کی

اکثر گنگنانے کے بعد آپ رونے لگ جاتے۔ شاید ان کا رونا ان کے دکھوں کی عکاسی کرتا تھا جو وہ کبھی نہ کہہ پائے مگر اِن کے قریبی دوست وہ اچھی طرح سے محسوس کر سکتے تھے اور سمجھ سکتے تھے''۔

زندگی کے آخری ایام میں طاوس کی خانگی زندگی میں کچھ اور تبدیلیاں پیدا ہوگئیں۔ آپ کی بیوی اور بیٹیاں آپ کو چھوڑ کر کراچی میں بس گئیں۔ ۱۹۹۴ء میں آپ کی بینائی کمزور ہوگئی اور کمپلیکس ہاسٹل میں واخل ہوئے۔ اِس کے بعد کئی سال تک کراچی کے ایک فلیٹ میں اپنے بچوں اور بیوی کے ساتھ زندگی کے نئے تجریوں اور دکھوں میں گزر بسر کیئے۔ لیکن ان

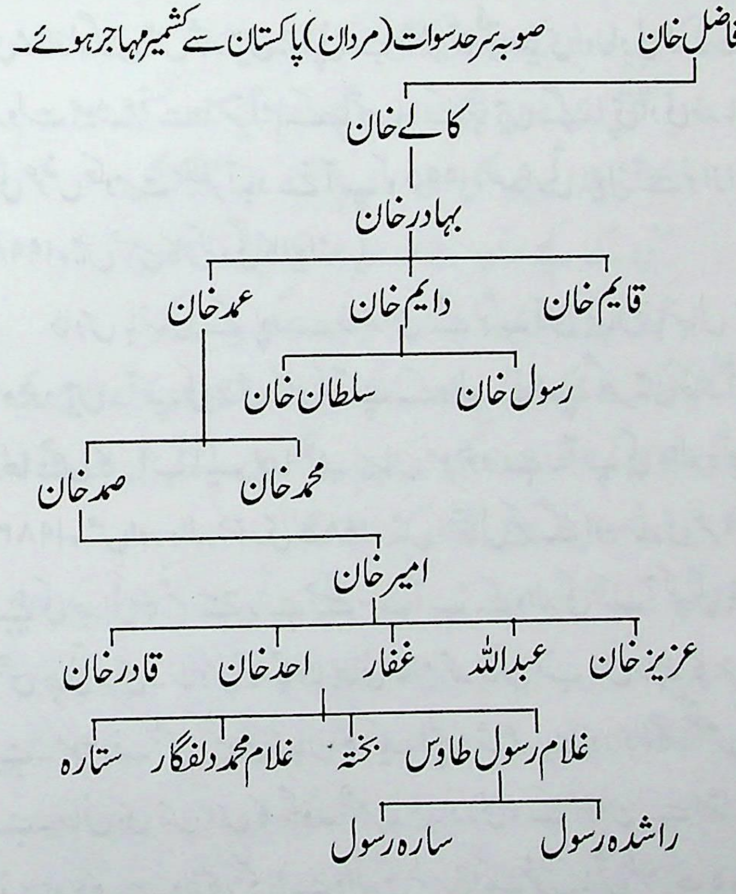
کے ناروا سلوک کے باعث اگست ۱۹۹۸ء کے پہلے ہفتے کراچی سے اسلام آباد آ گئے اور اپنے ایک دوست محمد اقبال کے گھر میں رہے جہاں آپ قریباً ۶۶ برس کی عمر میں ۲۰ ستمبر ۲۰۰۰ء کو رحلت کر گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور وصیت کے مطابق اُن کی تجہیز و تکفین ہوئی اور پاکستان اسلام آباد کے H-۸ قبرستان میں مدفون ہوئے۔ موت کا فیصلہ اگرچہ ایک اٹل حکم الٰہی ہے اور کسی کو بھی اِس سے مفر نہیں ہے لیکن کچھ دیدہ آگاہ لوگ مر کر بھی اپنے کارناموں کی بدولت ہمیشہ یاد کئے جاتے ہیں۔ اور طاوس بانہالی بھی ایسے ہی ممتاز لوگوں میں شمار ہیں جو اپنی بے مثال ثقافتی سیاسی اور ادبی خدمات کی بدولت ہمیشہ عزت و احترام کے ساتھ یاد کئے جاہیں گے۔ اپنی ادبی خدمات کی عوض حکومت مظفر آباد نے آپ کو ۱۹۹۵ء صدارتی ایواڑ سے نوازا اور ۱۹۹۸ء میں حسن کارکردگی کا ایواڑ دیا۔

طاوس بانہالی کے پورے خاندان کے لوگ آج یہاں بانہال میں موجود ہیں۔ آپ کی بڑی بہن کو آپ کے والد نے اپنے گھر میں خانہ نشین رکھا جس کا اب ایک پورا کنبہ یہاں موجود ہے۔ آپ کی والدہ نومبر ۱۹۸۳ء میں اور والد جنوری ۱۹۸۷ء میں انتقال کر گئے اور ساری عمر اپنے بیٹے کی جدائی کا غم سہتے رہے جسکے سبب آپ کے والد کی ایک آنکھ کی بنیائی بھی جاتی رہی۔ طاوس کا چھوٹا بھائی غلام محمد خان اب اِس کبنے کا سربراہ ہے۔ موصوف بھی کشمیری زبان کا ایک اچھا شاعر ہے اور دِلفگار تخلص کرتا ہے۔ حال ہی میں اِس کا مجموعہ شعر۔ ہیہ ٹوری، کے عنوان سے اشاعت پذیر ہو چکا ہے۔ دِلفگار بھی اپنے والد کی طرح ایک خوش باش طبیعت کا مالک

ہے اور کچھ عرصہ پہلے محکمہ تعلیم میں بہت ہی خوش اسلوبی کے ساتھ قریباً ۳۸ برس تک خدمات انجام دیکر اس محکمہ سے سبکدوش ہو چکا ہے۔ طاوس کی سب سے چھوٹی بہن بھی شادی شدہ ہے اور ایک خوش حال کنبہ کے ساتھ رہ رہی ہے۔

شجرہ نسب۔

غلام رسول خان متخلص۔ رسول طاوس بانہالی



طاؤس بانہالی اور اردُو شعر واَدب

طاؤس بانہالی اردو کے ایک معتبر اور مُستند ادیب اور شاعر ہیں۔اگر چہ آپ نے اپنا ادبی سفر کشمیری شعر گوئی سے شروع کیا لیکن بعد میں آپ زیادہ تر اردو شعر وادب کی ہی خدمت بجالاتے رہے۔اِس بات کے شواہد بھی ہیں کہ آپ نے ابتدائی کشمیری کلام کے کئی نمونوں کواُردو کا جامہ پہنایا ہے آپ کے پورے اردو کلام تک رسائی نہ ہونے کے سبب صرف آپ کے اُن چند کس شعری نمونوں اور متفرق اشعار کو قارئین کے پیش مطالعہ رکھا جاتا ہے جوہمیں مختلف اخبارات ورسائل کے حوالے سے دستیاب ہوسکے ہیں۔آپ کے اس کلام کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ آپ کو زبان وبیان پر پوری گرفت حاصل رہی ہے۔خوبصورت اشارات وکنایات۔تشبیہات واستعارات کا استعمال اور شعری لوازمات کے بھر پور ادراک کا احساس آپ کے ہاں ہر جگہ موجود پایا جاتا ہے۔آپ نے شعری روایات سے انحراف نہیں کیا ہے۔ بلکہ پیش روشعرا کے لفظیات اور اسالیب کو لیکر اپنی جدت بیانی کا مظاہرہ کیا ہے۔آپ جہاں اردو کے اساتذہ شعرا کا

گہرا مطالعہ رکھتے ہیں اور شعری روایات سے پوری طرح باخبر ہیں وہیں آپ اردو شاعری کے بدلتے ہوئے مزاج رجحانات اسالیب اور جدید سانچوں سے پوری طرح سے آشنا معلوم ہوتے ہیں۔آپ اردو کے جدید اور معیاری شعرا کے دوش بدوش صف آرا نظر آتے ہیں۔آپ نے للہِ عارفہ اور حضرت شیخ العالمؒ کے وقیع کلام کو اردو منظوم شعری قالب میں ڈالا ہے جو آپ کی مشکل پسندی اُستادانہ مہارت شعر شناسی اور کشمیری شناسی کا بھی ایک واضح ثبوت ہے۔ طاؤس بانہالی صرف ایک ہُنر ور شاعر ہی نہیں بلکہ ایک صاحب طرز نثر نگار بھی ہیں یہ بھی ایک مسلمہ امر ہے کہ آپ نے تخلیقی شاعری کی نسبت اپنی زیادہ توجہ ترجمہ کاری کی طرف مبذول کی ہے۔ بقول سعدیہ ثروت ''طاؤس نے بہت مشکل سے کشمیری ادب کی کتابیں اکٹھی کر کے طالب علم کی طرح بہت ابتدا سے کشمیر ادب کو پڑھا۔ پھر یہ کوشش کی کہ کشمیری کے بہترین ادب کو اردو میں ڈالا جائے اور یوں اپنی شاعری کو زیادہ وقت نہ دِے سکے[1]۔

طاؤس کے اور کلام سے دستیاب شدہ غزلوں میں سے کچھ منظومات قارئین کی دلچسپی کیلئے یوں پیش مطالعہ رکھے جاتے ہیں۔

راہ و رسم کہُن کی بات چلی
قیس اور کوہ کن کی بات چلی

---

[1] (ماہنامہ اردو دُنیا۔ اسلام آباد ۱۴۹)

یاد آکر رہے وہ دیوانے
جب بھی دارورسن کی بات چلی
جلتی یادوں کی جگمگاہٹ ہے
ہاں کہیں انجمن کی بات چلی
کنج غربت میں یوں رہے طاؤس
دھڑکنوں سے وطن کی بات چلی

(۲)

ہر چند کہ یہ سلسلہ شام وسحر ہے
اک شور سا سُنتے ہیں کہ یہ دورِ قمر ہے
میں سنگ ملامت نہیں پندار ہوں تیرا
کاجل تیری آنکھوں کا مری گردسفر ہے
نیرنگی تصویرِ تصور سے ہے گویا
میں آئینہ تیرا ہوں کہ تومیری نظر ہے
پھر بن کے ہوا کا کوئی پیغام کہ حضرت
آپ آئے بندے تو وہاں شہر بدرہے
آسائش گیتی کے پریشان خیالو
وحشت نہ کرو آو یہ آرام کا گھر ہے
آ تُجھ کو کہاں ڈھونڈنے ہم آبلہ پاجائیں
یوں دشت کی ہر راہ تیری راہ گُزرہے

طے کرتے رہے زرہ صفت دشت غم دل
خورشید کی ضَو میں ہے لہُو اپنا بھی شامل
لاریب بڑے لوگ تھے جودار پر لٹکے
ہم لوگ اسی حرف تمنا کے ہیں بسمل
دیوانگی شوق نے یہ بات سمجھائی
اک لغزش مستانہ ہے بس دور کی منزل
مقتل کو چلے تیرے طلبگار یہ کہکر
اب کوئی بھی پردہ نہ رہے زیست میں حایل
اے جان چمن موج بلا خیز کے صدقے
تنکے بھی ہوا کرتے ہیں آسودہ ساحل!
ہاں اک شررسنگ سے یا آنکھ سے ٹپکے
اک قطرہ خون جس کو کہیں زیست کا حاصل
ہاں ہونے کو ہنگامہ نسیم سحری ہے
ہاں اور زرا نالہ شبگیر، عنادِل
آواز کو زنجیر بلا کون کرے گا
صیاد کو ہے بارگراں شورِ سلاسل

دھوم گلشن میں مچی ہوگی بہار آنے کی
کیوں صبا یاد آئی تھی انہیں دیوانے کی
شبنم وگل دیدہ و دِل ایک ہوئے
آگ پانی میں گھڑی آئی ہے ٹھن جانے کی
اک شمع یادوں کی، دریچوں پر چلانے والے
راکھ بھی دیکھی ہے اڑتے ہوئے پروانے کی

☆

نظم

ہجرت

یہ صبح جوانی کی کہانی ہے کہ اس پار
پامال روایات کے ماحول سے بیزار
مانوس طلسمات کی خوابیدہ فِضا سے
اکتایا ہوا دل تھا بہانوں کا طلبگار
مرغان چمن سر و سمن سنبل و ریحان
مرجھائے ہوئے جھیل کنول دیدۂ حیران
رستا ہوا اک زخم لِئے لالہ صحرا
تنہا تھا اسی دشت میں آباد تھا زندان
زندائی تقدیر ہر ایک مرغ چمن تھا
جورنگ چمن تھا تو وہ رودار قفس تھی
پھر بھی دل وحشی کو نازِ سر و سمن تھا
دُزدیدہ نگاہوں کو اشاروں کی ہوس تھی

دِل سرحد ادراک کو چھونے کی ہوس تھی
دیوانہ کہلوایا تھا فرزانوں سے سو بار
دھندلائی ہوئی نظریں مگر دیکھ رہی تھیں
ماضی کے جھرکوں سے اِدھر پرتو انوار
پھر چشم تصوُر سے اُتر آئی وہ رانی
جس جان چمن کے غم فرقت میں جوانی
تڑپی تھی وہ آزادی کی صورت نظر آئی
تھی اوڑھے ہوئے چاند ستاروں کی وہ آنچل
ہم اس کی پذیرائی کو اِس پار اُترآیے
کچھ روز کی ہے پاس کی دوری کی یہ ہلچل
صد شکر کہ وہموں کی ندی پار کر آئے

☆

طاوس اور کشمیری شعروادب

طاوس بانہالی کشمیری الاصل تھے اور آپ نے بانہال کے ٹھیٹھ کشمیری ماحول میں آنکھ کھولی۔ بچپن ہی سے کشمیری زبان میں گانے بجانے کا شوق رکھتے تھے، اور اُس وقت کے مروجہ مزاج اور ذوق کے مطابق جب موسم سرما کی برف راتوں میں پڑھے لکھے گھروں میں ''گل ریز''، ''یوسف زلیخا''، ''گلبدن نونہال'' اور سام نامہ، ''خدیجہ نامہ'' جیسی کشمیری مثنویاں رات گئے تک پڑھی جاتی تھیں تو طاوس بھی ایسی مجلسوں میں ذوق شوق سے شرکت کیا کرتے تھے اور اپنی مستئ شباب میں اور لہوترنگ میں ان مثنویوں کے اشعار پڑھتے رہتے تھے، جیسا کہ ماقبل صفحات میں اُن کے اپنے الفاظ کے ہی حوالے سے جان کاری دی گئی ہے۔ بقول خود طاوس کے آپ نے اُس وقت سے ہی شعر جوڑنا شروع کئے تھے جب آپ چھٹی جماعت میں زیر تعلیم تھے اور غمگین تخلص کیا کرتے تھے بعد کو جب آپ مڈل پاس کرنے کے بعد اننت ناگ کشمیر کے اسلامیہ حنفیہ سکول میں قریباً ڈھیر سال تک زیر تعلیم رہے اُس دوران بھی شعر گوئی کی اِبتدائی مشق کرتے رہے، اور نسبتاً خاصا کلام کشمیری زبان میں موزون بھی کیا لیکن بقول آپ کے جب آپ

ایک بارش والی رات کے دوسرے دن اپنے سکول کے ہوسٹل سے اپنی کتابوں کو وہیں چھوڑ کر فرار ہوگئے تو آپ نے اپنی اُن دونوں کا پیوں کو دریائے جہلم کی نذر کردیا جن پر آپ نے اپنا کشمیری کلام درج کیا ہوا تھا تا کہ آپ کے والد کو آپ کے جانے بعد کہیں آپ کے شوق شعر گوئی کا پتہ نہ چل جائیے۔ آپ کے اُس ابتدائی کلام سے صرف ایک ہلکی پھلکی سی روایتی غزل ہمارے دسترس میں ہوسکی ہے۔ جو بذیل درج کی جاتی ہے۔

یارن کرنس ضایے لولو   وَن کس لانِکھ نیایے لولو
لوگن بے پروایے لولو   ون کس لاِنِکھ نیایے لولو
دیوانہ کورنس بوخط وخالن   دزوُن نارچھم اندری زالن
وولنس لوچھ مایے لولو   ون کس لانِکھ نیایے لولو
دور ریہ یار سند کوت تام ژالے   کم کم لأرِگن زلفِک زالے
وونہ چھُنہ موکلن پایے لولو   وِن کس لانِکھ نیایے لولو
غأرن سُتّں ژھوہ اوس مارن   تمی ماوُو چھ کانہہ خون ماچھ ہارن
بدلے آۓسس ترایے لولو   وَن کس لانِکھ نیایے لولو
غمگین ہوش کر   راز موفاش کر
بدنام چھُکھ جایہ جایے لولو   وَن کس لانِکھ نیایے لولو

آگے چل کر آپ نے اپنا تخلص بدل کر، رسول طاوس بانہالی، اختیار کیا۔ طاوس کے کشمیری کلام کے بارے میں کوشش کے باوجود بھی ہمیں اُن کا موزدن کیاہوا کلام دستیاب نہ ہوسکا، البتہ آپ کے کچھ متفرق اشعار جو اُن

کے مکاتب میں کہیں کہیں اشارۃً درج ہیں پڑھنے کو مل سکے ہیں۔ مثلاً اسطرح کے متفرق اشعار۔

طاوسہ خبر چانہ کتھِ لوکھ معنہِ کرن کیاہ
نالہِ مَتہِ اکھ عالم رٹتھ تمی روے مے نشہِ تھووکٹتھ
چھم ندامت میانسی لولس خبر کیا اوس لور

نظم

ایران صیغر

تیہ ریشن ہُنٛد اوس مالین جۄگی أسی راجا کران
ناگہ رادن پیٹھ پوتلی پوزا کرتھ دوہ دبن پران
راجہ مہاراجہ عاشہِ متی رعیت پریشان خستہ حال
سون گلشن اوس ازستھ ہتھ ؤری بروٗنہہ پایمال
اتھی اندر اکھ بُلبلا ییتھ پوشہ وارے باگہِ آو
نغمہ توحید کی گیوان مہاراجہ سُنٛد مرشد بنیاو
بوٹنہِ پیٹھے رِتچنس گوڈٕ راج سمین پیش ،کور
مُرشدن تس سینہ صدرالدین بناوتھ نورکور

ییٚلہِ سُہ رحمت حق سپن جلدی عدون وار آو
ظُلم تِہُند ے اہل چمنَن کیتھُ نبتھ تُلہِ نار آو
ظُلم جاری رود لیکن کور نہ دِلہٕ لوکو قوبول
نقش سپدن أسی لگمتی دِینہ کی وارہ اصول
بُلبلو پے اوس لوبمُت پوشہ ونہٕ بستا نکوی
عجمہ کین سازن ووزان ادس سوزعر بستانکوی
بادشاہ پتہ پتہ نقیرن أسی پھیران لولہٕ ہتی
خاکسارن رشکہٕ چھو نظرو وچھان أسی عاشہ متی
آو درویشاہ فقیرن ہنز جماتھا ہتھ کٔشیر
کرنہ لجی پروانہ وار اتھ شمع رویس گتھ کشیر
شاہ دریا آستین آں سیدے عالی مقام
کری ژوایأری شمع روین ژأنگی روشن شہر وگام
شاہ ہمدان ناوتسی یمی زأنی ہیو شاہ تے گدا
علم وصنعت دین تے تہذیب کے یمی دُیت صدا
مرد حق ایران کے سید علی امیر اکبیرؒ
سُے چھ یمی یتھ گلشنَس پوو ناو ایران صغیر

☆

طاوسہٕ وولنکھ کُمی پیچ وخمن ۔ وَنونےٕ افسانہٕ تراو
سوتنکی ترانے پرٕ عالمنے ۔ چھم کوسمنے کراو
باگہ طاوسہٕ ہرٕدِ یاؤن آم ۔ شراونس وردنے گرم آباد

☆

طاوس کے کشمیری کلام کی نسبت سردست خاص تفصیلات بہم نہیں ہیں۔ البتہ اِن مندرجہ بالا متفرق اشعار سے یہ عندیہ ملتا ہے اور اِس بات کے قوی امکان بھی ہیں کہ انہوں نے ضرور کم وبیش کشمیری کلام موزون کیا ہوگا جو کسی صاحب ذوقِ کی کوشش سے ہی برآمد اور دستیاب ہوسکتا ہے۔ کشمیری شاعری کی عظمت کا اعتراف اور اِس کے مٹھاس کا ذوق آپ کی رگ و پے میں رچا بسا ہوا تھا یہی وجہ ہے کہ آپ نے کشمیری شاعری کے دو بڑے سر برآوردہ پیشوا اور معمار یعنے للہٕ عارِفہ اور حضرت شیخ نور الدین ولیؒ کے معیاری اور مشکل پسند کلام کی گہرائیوں میں ڈوب کر اس کو منظوم اردو شرح میں ڈالا ۔ اور اپنا بیشتر وقت اِس وقیع کارنامہ کی تکمیل میں صرف کیا جس کے سبب شاید آپ کو شعر گوئی کی طرف توجہ دینے کا زیارہ موقعہ مسیر نہ بھی ہوا ہو۔ جس کا ایک اِشارہ آپ کے ایک مکتوب کی عبارت سے یوں ہوتا ہے ''صرف افسوس اس بات کا ہے کہ کاش حالات حاضرہ سے ہٹ کر کشمیری یا مجبورًا اُردو زبان میں سنجیدگی کے ساتھ شاعری کی ہوتی تو کچھ یادگار چھوڑ جاتے۔ چلیئے یوں ہی سہی اب بھی کچھ چیزیں ہیں۔ اکٹھی کی جاسکتی ہیں کُچھ دوستوں سے'' (مکتوب بنام غلام محمد خان ۲۔۵۔۹۷) بقول سعدیہ ثروت طاوس بانہالی

روایتی قسم کی شاعری اور ادب سے بیزار تھے اور دل میں یہ خواہش تھی کہ کشمیری شاعری اور ادب کو پاکستان میں روشن کردیا جائے۔

بحیثیت ناقد و تجزیہ کار: طاوس بانہالی ایک مانے ہوئے ادیب سخن فہم اور رمز شناس تھے، اُنہیں شعر و ادب کا گہرا مطالعہ تھا اور معنی کی تہہ میں جاکر اشعار کے محاسن اور معائب کا تجزیہ کرنے کے ماہر تھے جس کا اندازہ اُن کے اُن تقاریز و تجزیوں سے ہوتا ہے جو انہوں نے کشمیری زبان کے کچھ کہنہ مشق اور اپنے ہم عصر شعرا کے کلام پر سپردِ قلم کئے ہیں۔ یہاں پر اُن کے اُن دو دیباچوں کو نقل کیا جاتا ہے جو انہوں نے کشمیری زبان کے معروف شاعر ناز کولگامی کے منظوم شعری ترجمے موسوم ''بہ اسرار خودی'' پر رقم کئے ہیں جس میں انہوں نے علامہ اقبال کی مشہور فارسی مثنوی ''اسرار خودی'' کو منظوم کشمیری جامہ پہنایا ہے اور پونچھ سے تعلق رکھنے والے بزرگ شاعر تحسین جعفری کی منظوم شعری تخلیق موسوم بہ ''پوشہ تھری'' پر کشمیری زبان میں رقم کئے ہیں۔ دونوں اقتباس مِن وعن بذیل درج کئے جاتے ہیں جن میں پہلا تبصرہ ''زان'' کے عنوان سے اسرار خودی' پر یوں مرتسم ہے۔

زان: -

محمود گامی اور رسول میر کے علاقے کا وہ نوجوان طالب علم جو سرینگر کے سری پرتاپ کالج کے میگزین کا ایڈیٹر تھا اور جس نے اُس میگزین کی پیشانی پر اپنا یہ شعر تحریر کیا ہوا تھا۔

مائل ہوں جن پہ قازوہ موتی پروئیں گے
کشمیر کے اِس اَستانے کو سجائیں گے (اردو ترجمہ منشور)

وہ طالب علم غلام محمد ناز کولگامی تھا جسے آج مہجور اور آزاد کا جانشین ہونا چاہیئے تھا لیکن زمانے نے برعکس اِس کے اُس کو راولپنڈی اور لندن پہنچا دیا۔ خیر اِس داستان کا تذکرہ ناز صاحب نے نے اسرار خودی کے دیباچہ میں ازخود بھی کیا ہے۔

اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا غضب
بھول ڈالا میں نے کشمیری ادب
ہوگئے رُوپوش وہ بُلبل میرے
وہ مہکتے اور دمیدہ گُل میرے
جب گُل وبلبل ہوئے روپوش سب
گیت میرے رہ گئے اندرونِ لب

(ترجمہ منشور بانہالی)

تنہائی اور فراق مہجوری کی داستان کا اِتنا سا تذکرہ کرنے کی ہمت بھی اگر کسی کشمیری شاعر یا ادیب کے دِل میں ہو تو وہ بھی ایک بڑی بات ہے۔ سری پرتاپ کالج کے طالب علمی کے دوران ناز صاحب کا جو کلام اُن رسائل کی زینت بنا وہ میری طرح آج بھی کشمیری لوگوں کو زبانی یاد ہوں گے۔ ناز صاحب کے منظوم کردہ معراج نامہ کے سوز وگداز کی گونج ابھی بھی میرے کانوں کو سنائی دے رہی ہے جس کو میں نے کشمیر کے مختلف علاقوں کی مساجد میں لوگوں کو پڑھتے سُنا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مہجور ایک جانب

کشمیری شاعری میں رسول میر کے درد و سوز کو ٹیگور اور اقبال کے ساتھ ہم آہنگ کرنا چاہتا تھا اور دوسری جانب ہمارا نغمہ گو آزاد نئے آہنگ کے ساتھ نوا پیرا تھا۔ اُس زمانے میں شاعری کرنا اپنی شناخت تسلیم کرانے کی ہمت کرانا ایک کارے دار والد معاملہ تھا۔ اُس زمانے میں جب ناز صاحب نے سیاست کے میدان میں قدم رکھا اور وہاں بھی اُنہوں نے کابامرگ کے عوامی جلسوں سے لیکر زندان خانے تک اپنی انفرادیت قایم رکھی۔ اُس زمانے کے منظومات ابھی بھی اپنے زمانے کے اہم ادبی نوشتے ہیں۔

ع۔ لا انقلاب! دہقان تو

ع۔ پہچان اپنی شان! اے دہقان لا تو انقلاب

ع۔ چھنڈا ہمارا! کتنا ہے پیارا، اے ہمدم

ع۔ ہے یہ کتنا ظلم جو غافِل مسلمان ہو گیا

اِس کے بعد ناز صاحب جیل سے نکلکر پاکستان اور نہ جانے کہاں کہاں تک پہنچ گیا۔ مگر شاعری کا شاہین جواب بڑے بڑے پرندوں کو شکار بنانے کا اہل ہو گیا تھا اور جس میں خوے خُوں چکاں پیدا ہوئی تھی۔ پندرہ برس تک ناز صاحب اُس شاہین کو اپنا وہ خون جگر پلا نہ سکا۔ جس کا وہ عادی بن چکا تھا۔ گذشتہ برس لگ بھگ اِن ہی ایام میں ناز صاحب مجھے ملنے کیلئے کراچی سے راولپنڈی آ گئے تھے۔ کافی گفتگو اور مباحثہ کے بعد راقم نے انہیں ''اسرار خودی'' کے انگریزی ترجمہ کا وہ نسخہ دے دیا جو ڈاکٹر نکلسن نے کیا ہوا ہے۔ میرا مدعا ناز صاحب کو کسی نہ کسی طرح سے اُن کو اپنے بھولے ہوئے سبق کی یاد دلانا تھا۔ کیونکہ اِس کا ترجمہ کرنے کے لئے علامہ اقبال ہی

کی طرح کی کسی بلند پایہ صاحب سخن کا ہونا لازمی تھا۔ اللہ تعالے کا شکر ہے کہ میرا مقصد پورا ہو گیا اور ناز صاحب کی شاعری نے بھی قریباً اٹھارہ برس بعد پھر سے نئی تازگی حاصل کر لی۔ جس وقت ناز صاحب نے مجھے کراچی سے اسرار خودی کے ترجمہ کا ایک نمونہ بطور سوغات کے بھیج دیا اور بعد از اں مجھے اِس کا مکمل نسخہ دکھایا۔ مجھے کافی دیر تک یقین ہی نہیں آیا۔ کیونکہ اسرار خودی کے نفسِ مضمون کی اِرتفاعیت سے قطع نظر علامہ اقبال کی شاعرانہ عظمت ہم جیسے گنوار اور ناہنجار لوگوں کو ڈرانے کے لئے کافی ہے۔ مگر پھر جب میں نے ناز صاحب کے ساتھ بیٹھ کر کشمیری اسرار خودی کا ایک ایک شعر پڑھ لیا تو اس وقت مجھے ایس، پی، کالج کے اُسی طالب کی صورت چشم تصور میں گھومنے لگی جس نے کالج کے میگزین کی پیشانی پر یوں اپنا یہ شعر رقم فرمایا تھا۔

ے مائل ہوں جن پہ قازوہ موتی پروہیں گے
کشمیر کے اِس آستانے کو سجائیں گے

مگر افسوس اِس بات کا ہے کہ ناز صاحب قریباً اٹھارہ برس تک بلکل لب بستہ رہا اور جس سرمایہ کے اضافے کی کشمیری ادب کو توقع تھی وہ پوری نہ ہو سکی اور کشمیری ادب ایک گرانقدر ادبی سرمایہ سے محروم رہا۔ ایک غزل میں ناز صاحب نے خود بھی اِس بات کا اعتراف کیا ہے۔

ے وطن سے دور رہ کر، میں ادب کو بھول ہی بیٹھا
سیاست نے مجھے اے نازیوں بے ذوق کر ڈالا

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ سیاست نے ناز صاحب کو ادب سے

دور کر دیا۔ کیونکہ اگر انہیں سیاست کا چسکہ نہ پڑ گیا ہوتا وہ کشمیر سے ہجرت کرنے پر مجبور نہ ہو جاتے۔ کشمیر سے باہر رہ کر اور کشمیری ماحول سے الگ تھلگ رہ کر کشمیری ادب کی خدمت کرنا کافی مشکل ہو جاتا ہے لیکن پھر بھی ناز صاحب شاباشی کے مستحق ہیں کہ انہوں نے پھر سے ادب کی جانب توجہ مبذول کی اور اسرار خودی کا منظوم ترجمہ کر ڈالا۔ یہ ایک بڑا کارنامہ ہے۔ خاص کر کشمیری ادب میں ایک گرانقدر اضافہ۔ یہ کارنامہ اِس سے بھی زیادہ قابل ستائیش ہے کہ جو مضمون علامہ اقبال نے اردو کی بجائے فارسی میں موزون کیا، کیونکہ فارسی زبان میں زیادہ چاشنی اور گہرائی پائی جاتی ہے۔ وہی مضمون ناز صاحب نے کشمیری زبان میں پیش کیا جو فارسی زبان کے مقابلے میں ایک محدود زبان ہے۔ اِس لئے مصرعہ شعر کا متبادل ترجمہ ایک ہی مصرعہ شعر میں پیش کرنا بہت مشکل تھا۔ لیکن ناز صاحب نے یہ ثابت کر دیا کہ کشمیری زبان میں بھی مٹھاس اور گہرائی کی کمی نہیں ہے ناز صاحب نے کتاب کے دیپاچہ میں اس جانب اِشارہ بھی کیا ہے:-

ہے یہ مضمونِ خودی ارفع خیال
اِس کو کشمیری میں کہنا تھا محال!
ہیں جدا دونوں زبانوں کے اصول
فارسی گلشن ہے کشمیری ہے پھول
فارسی ہے باغ پھُولوں سے بھرا
میں مگر خود ہی میں تہیِ دامان تھا

جس طرح اقبال کا فرمؤد تھا
ترجمہ میں نے اُسی ڈھنگ سے کیا
شعر کو دونا نہیں میں نے کیا
میں نے مصرعہ کے عِوض مصرِعہ لکھا
(اُردو ترجمہ منشور)

فارسی متن:

خودی ہُنڈ مضمون یوٚ دِوے میوٹھ اوس
کاشُرس اندر یہِ ترجمہ کریوٹھ اوس
دون زِبانَن منز چھےٚ بڈ فرقا حضورؐ
فارسی گلشن تہٕ کاشُر پوشہِ ٹوٚر
فارسی کِس گلشنَس گُل چھِ سبٹھاہ
لونٹ ژھوٹ آسِم مگر پٕنٕز سبٹھاہ
پانہٕ اقبالَن یہِ وون یتھٕ پاٹھی وون
ترجمس منز لیوکھنہٕ تمہِ نشہِ کینہہ مےٚ بیون
کوٚرنہٕ کُنزس شعرِکس دوگنیار مےٚ
لیوکھ مےٚ مصرَعس مصرِ شعرَس شارمےٚ

نازصاحب نے جس طرح شعر کے عوض شعر اور مصرعہ کے عوض مصرعہ اس کی مثال کچھ یون ہے۔

فارسی: درچمن جز دانہ اشکم نہ کِشت
تا رافشانم بہ پودِ باغ زِشت

میانہِ اشہِ روس وونہٕ ژٕمی کانٛہہ دانہٕ بیاکھ
باغ پأروٗن رووتھ میأنی وبداخ

(اردو ترجمہ)۔

جز میرے اشکوں کے بیجا کچھ نہ وہ
میرے آنسوں سے سجایا باغ کو۔

فارسی: سنگ شواے ہچو گل نازک بدن
تا شوی بنیاد دیوار چمن

(اردو ترجمہ)

سنگ بن جا اے گُل نازک بدن
تا کہ بن جایئے تو دیوار چمن

فارسی: خاک گشتن مذہب پروانہ گیست
خاک را آب شو کہ این مرانہ گیست

(اردو ترجمہ)

خاک ہو جانا ہے پروانے کا دہن
قوت مردانہ ہے یہ بالیقن

(اردو ترجمہ۔ منشور بانہالی)

چیالر بناز صاحب نے مجبور ہو کر ایک شعر کا ترجمہ دو اشعار میں کیا ہے

وہاں پر بھی انہوں نے علامہ کے خیال اور مفہوم کو پرکھ کر اپنی جانب سے اُس میں کوئی اضافہ نہیں کیا ہے۔ مثلاً

فارسی: ما کہ از قید وطن بیگانہ ایم
چوں نگہ نورِ دو چشم و یکیم

کشمیری کیا وطن گوٗ وُ چھِنہٕ وطن زانان اُسی
قۂ دو طنُک کانٛہہ تہٕ چھُنہٕ مانان اُسی

اردو ترجمہ

ہم کو کیا معلوم مفہومِ وطن
مانتے ہی ہم نہیں قید وطن
دونوں آنکھوں کی جدا ہے روشنی
ہے نظر دونوں کی لیکن ایک ہی

میری اِس سے زیادہ خوش قسمتی کیا ہو سکتی ہے کہ نازؔ صاحب کو ناچیز کے بارے میں یہ حُسن ظن ہے کہ ناچیز ایک سخن فہم ہے اور مجھے اِس کتاب کا پیش لفظ تحریر کرنے کی فرمائش کی۔ آخر میں مجھے ناز صاحب کا ہی ایک پرانا شعر یاد آ گیا جو انہوں نے ۱۹۴۸ء میں موزُون کیا ہے۔

ناز صاحب کا ہے مدعا کیا ہے کیا اُن کا خیال
پہنچ پائے ٹھیک سے کشمیریوں کے دِل تلک

غلام رسول طاوس بانہالی
راولپنڈی ۹ر اپریل ۱۹۶۹ء
(اردو ترجمہ) منشور بانہالی

دوسرا جائزہ تحسین جعفری کی شعری تخلیق ''پوشہِ تھٔرِ'' پر ایک قابلِ تحسین کارنامہ کے عنوان سے سپُردِ قلم کیا گیا ہے جو حسبِ ذیل ہے

ایک قابل تحسین کارنامہ

پیش لفظ ''شاخ گل''[۱]

کشمیری شاعری کی عمر سات سو سال تک بتائی جاتی ہے۔ للہِ دید کا کلام جو واکھوں کی صورت میں ہم تک پہنچا ہے وہ کشمیر شیومت اور وحدت الوجود بلکہ صوفیانہ بھگتی شاعری کی روایت کا ایک تسلسُل ہے۔ لیکن للہِ ماں جی کے معنوی فرزند حضرت شیخ العالم نورانیؒ کا کشمیری کلام شاعری کی اُن جہات کا ایک عکس ہے جن کی بدولت کشمیر اشاعت اسلام کے اِن تہذیبی اور ادبی اقدار سے مالا مال ہوگیا۔ جو کشمیری ادب کی اس عجمی روایت کی دین ہے جو ہمیں پہلی بار نندہ ریشی کے کلام میں نظم مسلسل یا حمد و نعت دیکھنے کو ملتی ہیں۔ کشمیر کے ایک نوجوان ادیب انیس کاظمی کے ایک مضمون کے مطابق شاردا رسم الخط میں حضرت شیخ العالم کے کلام کا ایک ایسا مسودہ دریافت ہوا ہے جس کا موضوع مدح اہلبیت اطہار ہے۔ اگر یہ بات مبنی بر صداقت ہے تو ہم اِس بنیاد پر جناب تحسین جعفری صاحب کے حمد و نعت کو اور مدح اہلبت والے کلام کو بجا طور پر اِس چھ سالہ روایت کا ایک تُسلسل کہہ سکتے ہیں جس روایت کو حضرت شیخ العالم نے للہِ ماں کے بعد کشمیری شاعری میں قایم کیا۔

۱۔ اردو ترجمہ: منشور بانہالی

اِس روایت کا پالن کرنے کے علاوہ تحسین صاحب نے وطنی نغمے بھی تخلیق کئے ہیں جن کی بدولت اِن کا کلام یقینی طور پر دو آتشہ بن گیا ہے۔ اِس طرح سے تحسین صاحب کے کلام میں شیخ نورالدینؒ کے زمانے سے لیکر مہجور آزاد اور ناز کولگامی تک چھ سات سو سال کے اِس عرصہ میں پنپنے والی روایات واضع طور پر نظر آتی ہیں۔ تحسین صاحب کی شاعری اِس عقیدے اور محبت کی شاعری ہے جس کا تعلق مذہب اور وطن دونوں سے ہے۔ لیکن تحسین صاحب کا وطن کا تصوّر مغربی تصور وطن سے مختلف ہے۔ جس کو علامہ اقبال نے یہ کہہ کر مسترد کر دیا تھا کہ

اِن تازہ خداوں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اِس کا ہے وہ ملّت کا کفن ہے

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے اِس شاعر کے ذہن میں حُب الوطنی کا جذبہ اُس بنیاد پر استوار ہے جس نے کشمیر کو ایران صغیر کے نام سے معنون کر دیا۔ کشمیر کی یہ اسلامی پہچان ہماری حریت فکر کا اساسی نکتہ ہے اور عجمی تحریک کی یہی روش کشمیری ادب کی قابل دید روایت بن گئی ہے جس میں کشمیر کے حسن نے اور بھی جاذبیت پیدا کر دی ہے۔ اِس روایت پر چل کر تحسین صاحب کی شاعری حسن فطرت مہاجرت اور جستجو کے تین دایرے بنائی ہوئی معلوم ہوتی ہے جو ایک دوسرے کے ساتھ مل کر ایک دلفریب منظر پیدا کر دیتے ہیں۔ اگر چہ کشمیری شاعری کی بنیادی روش صوفیانہ ہے لیکن تحسین صاحب اِس روش سے بظاہر اس کے دامن کشاں نظر آئے ہیں کیونکہ تصوّف ''برائے شعر

گفتن'' کو وہ اپنی مجبوری یا ضرورت نہیں سمجھتے ہیں۔ اِس کے مقابلے میں آپ نے مدحت پیغمبر اور ذِکر اہل بیت اپنی شاعری کے موضوعات بنائے ہیں جہاں وہ جوش عقیدت سے اِس شاخ گل پر طرح طرح کے پھول کھلاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مگر اِس راہ میں جوش اور عقیدت ہی کافی نہیں ہے بلکہ ہوش اور احتیاط کا اِلتزام بھی ضروری ہے۔ تاہم جو لوگ تحسین صاحب کی اردو شاعری سے واقف میں اور جنہوں نے اِن کے سفینہ نجات اور اُردو دیوان کا مطالعہ کیا ہوگا وہ پوری طرح سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہمارا شاعر اِس راستے کے تمام نشیب و فراز سے بخوبی آشنا ہے۔ بلکہ یہ سارا تجربہ اُن کی کشمیری شاعری کے اندر نقش ثانی بن کر خوب سے خوب تر معلوم ہوتا ہے۔ اِس کے علاوہ تحسین صاحب کی کشمیری شاعری کا اور بھی بہت سارا کلام قابل توجہ اور لایق تحسین ہے۔

پونچھ کے سنگلاخ علاقے میں پیدا ہونے والے اِس کشمیری شاعر سرفراز خان کے اجداد پٹھان قبیلہ سے متعلق تھے۔ جو سرحدی صوبہ سے ہجرت کر کے کشمیر میں بس گئے تھے۔ پونچھ کے علاقے میں پہاڑی اور گوجری بولیوں کا بول بالا تھا اور تدریسی زبان اردو تھی۔ تحسین صاحب کو ایک شیعہ خاندان کا فرد ہونے کی وجہ سے سوز و سلام کی مجالس میں شریک ہونا پڑتا تھا جہاں انہوں نے اردو شاعری کی بو باس کو پالیا۔ اِس طرح سے آپ انیس اور دبیر کی شاعری سے متعارف ہو گئے اور اپنی خوش الحانی کے سبب اِن مجالس میں نظم خوانی بھی کرتے رہے۔ لیکن اپنی مادری زبان میں جو دُو ہے اور مناقب اِن کے گوش سماعت میں بس گئے تھے وہ اُردو شعر گوئی کے بعد

بھی اِن کے شعور میں صدائے بازگشت کی طرح موجود رہے۔ چنانچہ آج قریباً چالیس سال قبل جب تحسین صاحب ۴۷ء کے دور ابتدا میں مہاجر بن کر پاکستان پہنچے تو انہیں اپنی مادری زبان کی یاد پھر سے آگئی اور اِس مادری زبان میں انہوں نے بہت سے نغمات۔ نغمات توحید۔ نعوتِ سرکار دو عالم، مدح اہلبیت اور قومی نظمیں لکھیں۔

مہاجرت کا یہ سلسلہ آج چالیس برس گذر جانے کے بعد بھی جاری ہے جس کا ثمر شاید وہی ہے جو مہاجرت کا یہ غم سہے جا رہے ہیں۔ بقول خیال صاحب۔

کأشر زیو چھم تالس لُجمٕژ
کیا وَنہٕ کٔوتاہ پرمس چیوم

میری کشمیری زبان میرے تالو میں اٹک کر رہ گئی ہے
کیا بتاؤں کہ کتنا پرایا پانی پی لیا میں نے

کشمیر سے دوری کا یہ کرب مرحوم احمد شمیم کو دُومیل پُل پر دریا کے ساتھ ہم کلام بناتا رہا اور رانا فضل حسین کو منگلا سر میں اپنا جلوہ دِکھاتا رہا۔

ویری ناگوں ٹپکو دھو کے منگلے خضر نچوڑے

یہی مصیبت کے دِن ہم غریب الوطن بھی اِس اُمید پر کاٹتے رہے کہ ہم بھی شاید کبھی اپنے گھر کو لوٹ جائیں۔

باگہ طاوسہٕ ہرِد یاوُن آم
شراوَس درِد نے کُرم آباد

اے طاوس میری جوانی اُس وقت جوبن پر آئی جب موسم خزاں قریب

پہنچا۔ برسات کا سہانا موسم جلتی یادوں کی نذر ہو گیا۔
گویا جہلم دریا کے جس پانی کو راجوری کا فضل حسین بلائیں لیتا ہے اُس کو تحسین جعفری کی شاعری کا ایک نسوانی کردار یہ کہہ کر منتیں کرتا ہے کہ ویری ناگ کا یہ پانی جہلم تک پہنچ کر کالیداس کے میگھ دوت کی طرح اُس بہن کے بھائی کو واپس آنے کا سندیشن دے جو ۴۷ء میں پاکستان گیا ہوا تھا۔ یہ دِل گداز کلام سُن کر تحسین صاحب کا یہ کشمیری کلام اُن کے اردو کلام سے بظاہر مختلف سا نظر آتا ہے۔ حالانکہ میری دانست میں یہ دو زبانوں کے مزاج کا اختلاف ہے۔ یا اسے کلاسیکی اور رومانوی مزاج کا اختلاف کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اُردو شاعری میں ہمارے شاعر پر انیس اور دبیر کے طرز بیان کا اثر زیادہ نمایاں ہے جبکہ کشمیری شاعری میں وہ لوک ادب کے زیادہ قریب نظر آتے ہیں لیکن بہ ایں ہمہ تحسین صاحب کے کشمیری کلام پر اردو شاعری کے اسلوب اور طرز اظہار کا خاصا اثر ہے۔ بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ کشمیری زبان میں سوز وسلام اور مراثی میں اُن پر اردو شاعری کا زیادہ غالب اثر ہے تاہم جہاں مذہبی موضوعات کے علاوہ وطن اور دیگر موضوعات آپ کی شاعری کا حصہ بن جاتے ہیں اُن میں آپ کا رومانوی انداز بیان ایک ایسی غنائیت اور نغمگی پیدا کر دیتا ہے جو تحسین صاحب کی شاعری کو ''طرز کہن،، اختیار کرنے کے باوجود ایک شباب رنگ اظہار بیان کرتا ہے۔
یہ بات ذہن نشین رکھنے کے لائق ہے کہ اُن کی کشمیری شاعری ابتداء کے اُس مرحلے پر ہوئی جب بقول آزاد ناز و ادا اور مہندی ہاتھ، زندگی پر باعث ستم نظر آتے ہیں۔ تحسین صاحب کا پہلا کشمیری کلام اُن ہزاروں

ریاستی مسلمانوں کا نوحہ ہے جو جموں میں بیدردی کے ساتھ موت کی نیند سُلائے گئے یا اُن شہدا کیلئے ایک خراج عقیدت ہے جو حصول آزادی کی تحریک میں شامل رہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ کشمیر سے بہت عرصہ تک اتنا دور رہ کر کشمیری زبان میں فکر شعر کرنا آسان نہیں۔ یہ خود کلامی ایک ایسا عذاب ہے جو تخلیقی عذاب سے بھی بڑھ کر ہے اور نا قابل برداشت ہے۔ جہاں ہماری اولاد بھی کشمیری سے نابلند ہے۔

اس سے زیادہ قابل ستایش بات یہ ہے کہ تحسین صاحب نے اردو لغت اور خاص کرارد و مراثی کی فنی اور معنوی خوبیوں سے کشمیری کو بھی آراستہ کیا ہے۔ زبان کی یہ آرایش تحسین صاحب کی ایک خاص دین ہے جو قابل تحسین اور کافی دیر تک یاد رکھنے کا لایق ہے۔

طاوس بانہالی

۲۹ راگست ۱۹۸۷ء

☆

طاؤسؔ بانہالی اور گوجری شعروادب

طاوس بانہالی ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک ہیں۔آپ کو جہاں کشمیری اور اردو زبان دانی اور شعروادب پر دسترس حاصل ہے وہیں آپ گوجری زبان وادب کے بھی رسیا دکھائی دیتے ہیں۔ چنانچہ ڈوڈہ، کشتواراور رام بن اضلاع ویسے بھی کثیر لسانی اضلاع ہیں اور بیشتر لوگ اپنی مادری زبان کے علاوہ اپنے ہمسایوں کی بولیوں کو بھی کماحقہ بول سکتے ہیں اور سمجھ سکتے ہیں جولسانی رواداری کی ایک اچھی مثال ہے۔طاؤس بانہالؔی کے ساتھ یہ تخصیص اور بھی زیادہ ہے۔آپ کشمیری اوراردو کی طرح گوجری زبان میں بھی تحریر وتقریر کی خوب صلاحیت رکھتے ہیں۔اِس زبان میں آپ کے کم و بیش موزُون کیئے ہوئے کلام کے علاوہ آپ کے کچھ نثر پارے بھی موجود ہیں جن سے آپ کی اِس زبان میں مہارت اورادب دانی کا پتہ چلتا ہے۔

<u>دومہاجر دوست</u>:۔طاوس بانہالؔی کو الحاج رانا فضل حسین چوہدری کے ساتھ گہرے مراسم رہے ہیں ۔ بلکہ اُن کو گوجری۔ پہاڑی ڈوگری اور ہندکو زبانوں میں اپنا اُستاد سمجھتے ہیں۔اپنے خطوط میں آپ اُن کو بہت ہی

عزت واحترام سے یاد کرتے ہیں۔الحاج رانا فضل حسین راجوری کے رہنے والے تھے۔اور نیرنگی تقدیر کے سبب وہ بھی سرحد پار چلے گئے اور وہیں مقیم ہو گئے اور ساری عمر جذباتی طور پر اپنے زادو بوم کے ساتھ وابستہ رہے اور یہ دھڑکن ہر جگہ آپ کے کلام میں نظر آتی ہے ۔رانا فضل حسین راجوروی گوجری شعر و ادب میں ایک ممتاز شخصیت اور مقام کے مالک ہیں اور بہت ہی پُر گو شاعر ہیں۔ ۱۹۸۵ء کے آس پاس ریاستی کلچرل اکادمی کے اُس وقت کے سکریٹری جناب محمد یوسف ٹینگ جب پاکستان کسی سلسلے میں گئے تو موصوف نے رانا فضل حُسین راجوروی کا ایک غیر مطبوعہ مسودہ کلام وہاں سے حاصل کیا۔جس کو بعد میں نسیم پونچھی اور اقبال عظیم نے مرتب کیا اور ریاستی کلچرل اکادمی نے اسے ۱۹۸۶ء اپنی ''باپھل باپھل پانی'' (پلک پلک آنسو) کے نام سے شایع کیا۔جس کا تعارف نامہ بھی محمد یوسف ٹینگ صاحب نے تحریر فرمایا ہے''۔

اِس مجموعہ شعر پر گوجری زبان میں ہی ''پہلی گل'' کے عنوان سے طاؤس بانہالی کا تحریر کردہ پرُ طبع دیباچہ موجود ہے جو اِس شعری مجموعہ کے محاسن کا تجزیہ کرتا ہے جو طاؤس کی گوجری زبان و ادب پر گرفت کا مظہر ہے۔

رانا فضل حسین اور طاؤس بانہالی کے درمیان گہرے مراسم پیدا ہو گئے اور دونوں یک جان اور دو قلب ہو کر رہ گئے۔غم ہجر کے مارے دونوں دوست ایک دوسرے کے ہمراز اور دمساز بن کر ساری عمر ایک دوسرے کا دُکھ درد بانٹتے رہے رانا فضل حسین کی صحبت میں طاؤس بانہالی کو بھی گوجری

زبان وادب میں قلم آزمائی کرنے لگے۔

دونوں کے مابین شفقت ومحبت کے گہرے مراسم کا اندازہ اُن خطوط سے بھی ہوتا ہے جووہ ایکدوسرے کے نام تحریر کرتے رہے رانا فضل نے کئی ایک منظوم خطوط طاؤس کے نام لکھے ہیں اور طاؤس نے بھی اُن کے کئی خطوط کا منظوم جواب تحریر کرنے کے علاوہ کچھ خطوط نثر میں بھی اُن کے نام لکھے ہیں۔ دونوں دوستوں کے منظوم خطوط میں دومہاجر دوستوں کے احساس ہجر کی جھلکیوں کو دیکھنے کے علاوہ پیر پنچال کے فطری مناظر کی تصویر کشی کو بھی دیکھا جاسکتا ہے ''رانا فضل حسین کے منظوم خطوط کا سب سے نمایاں پہلو یہ ہے کہ یہ خطوط صرف فرد کی زندگی کے المناک گوشوں کو ہی سامنے نہیں لاتے بلکہ ان میں ایک پورے خطے اور اس کے باسیوں کی زندگی کا غم واندوہ سمٹ آیا ہے۔ یہ خطوط ایسے شہر آشوب کی حیثیت رکھتے ہیں جو آشوب کشمیر کہلا سکتا ہے۔ بچھڑے خاندانوں کی بپتا کا اِن خطوط سے بہتر نقش ہمیں اردو اور کشمیری کے علاقائی ادب میں خال ہی دکھائی دیتا ہے[1]۔ یہاں پر قارئین حضرات کے مطالع کیلیئے دونوں دوستوں کے مابین خطوط نگاری کے کچھ نمونے اور طاؤس بانہالی کا رانا فضل کے مجموعہ شعر ''بانپھل بانپھل پانی'' پر پہلی گل کے عنوان سے تحریر کیا ہوا دیباچہ بھی پیش مطالعہ رکھا جاتا ہے۔

[1] اسانجھاؤ کھڑا۔ ڈاکٹر غلام حسین اظہر۔ مرتبہ جموں وکشمیر کلچرل اکادمی ص ۱۴

پہلی گل.............طاؤس بانہالی

یعنے

پیش لفظ

حاجی رانا فضل حُسین نے اپنی پسند کے دو ادبی نکیر و منکر اپنے لئے چن لئے ہیں۔ایک تو اردو زبان کے فاضل اُستاد ڈاکٹر غلام حسین اظہر ہیں اور دوسرا یہ خاکسار طاؤس بانہالی۔ڈاکٹر اظہر تو اُن کی خوبیوں اور اوصاف کو خوب چُن چُن کر تحریر کرتے ہیں لیکن راقم اُن کی کوتاہیوں اور کمزوریوں کی تلاش میں لگا رہتا ہے۔مثال کے طور پر ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ رانا صاحب ایک عظیم شاعر ہیں اور میں فرانسسی ادیب آندرے ژید کے ایک کردار کی طرح معترض ہوں کہ ادب میں ''عظیم لفظ کوئی معنے نہیں رکھتا۔البتہ ایک خالص اور ستھری شاعری ایک علیحدہ چیز ہوتی ہے!

ڈاکٹر صاحب کا کہنا کہ رانا صاحب سچا شاعر ہے اور میں یہ کہتا ہوں کہ کیا وہ سچے شاعر بھی ہیں؟ دونوں ادبی نکیر و منکروں کی اِس اُلجھن کی ایک خاص وجہ رانا صاحب کی تہہ دار شخصیت بھی ہو سکتی ہے۔ڈاکٹر اظہر کا کہنا ہے کہ اصل میں گذشتہ بیس پچیس برسوں میں رانا صاحب ایک سماجی شخصیت بن چکے ہیں اس لئے اِن کی شاعری کے پرکھنے اور تجزیہ کرنے کا بھی یہی

پیمانہ ہونا چاہئے۔اس کے برعکس میری ضِد یہ ہے کہ اس سماجی شخصیت کے اندر ایک ایسا روایتی اجنبی بھی چھُپا بیٹھا ہے جو شاعِری میں ایک بنجاری کے روپ میں آکر ہمیں بیتے ہوئے زمانے کی ایک جھلک دِکھاتا ہے۔جس کے ہم دونوں شیدائی ہیں ۔رانا صاحب کا یہ روپ دیکھکر مجھے اختر الایمان کی نظم ''لڑکا'' کی بے اختیار طور پر یاد ہو جاتی ہے۔

یہ لڑکا پوچھتا ہے اختر الایمان تم ہی ہو؟

کہا جاسکتا ہے یہ لڑکا ''ہمارا بنجارہ ہے جو حاجی رانا فضل حُسین کے اندر کہیں چھُپا بیٹھا ہے اور یہی وہ فضل راجوروی ہے۔جس کی مجھے تلاش ہے۔ اِس بنجارہ پر آپ آج تک نصف صدی گذر چکی ہے اور یہ فضل راجوروی جب حاجی رانا فضل حُسین کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھتا ہے کہ ''مطمئن ہو؟ تو حاجی صاحب سے نہ انکار کرنے کی بن پاتی ہے اور نہ اقرار ......شاعری کا یہی وہ مرحلہ ہے جہاں حاجی صاحب کے نکیر و منکر اُس کے چیلے بن کر رہ جاتے ہیں۔

وہ پوچھے خیر و خیریت میں ہو جاؤں چُپ
نہ کروں ''نا'' اور نہ کروں ہاں

شاید یہی وہ نازک مقام ہے جہاں پر اقبال نے کہا تھا۔

فلسفہ و شعر کی اور حقیقت ہے کیا
حرف تمنا جسے کہہ نہ سکیں رو برو

پس اِس حرف تمنا کو رانا صاحب نے میں ''چُپ سُپ (میں ہو جاؤں

چُپ) کہہ کر فضل راجوروی کے دِل کا بوجھ ہلکا کر دیا۔لیکن سماجی شخصیت کو اِس بات کا کھٹکا ہے کہ یہ ''حرف تمنا'' رائج الوقت سِکہ نہیں رہا ہے اس طرح سے فضل راجوروی وہ روایتی بنجارہ اور ہمارے معاشرہ کا وہ اجنبی فرد ہے جس کو ہم نے صدیوں سے ایک کھوٹا سکہ قرار دیا ہے۔لیکن آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ کھوٹا سِکہ اور نا قابل اولاد مصیبت کے وقت کبھی کام بھی آتے ہیں۔ہمارا زمانہ جس کے بارے میں بحرانی دور کے شاعر میر تقی میر نے یونہی کہا تھا۔

اس میں راہ سخن نکلتی ہے
شعر ہوتا تیر اشعار اے کاش

بس اب جو ہم لوگ اخلاقی قدروں سے لیکر معاشیات تک ہر شعبہ میں انتشار کے شکار ہیں اور کسی بھی بات میں معنے نہیں ڈھونڈتے اور پھر مُڑ مُڑ کر اسی کھوٹے سکے کا سہارا لیتے ہیں۔یہ کھوٹا سکہ باہمی رواداریوں کے زمانہ سے لیکر ذاتی ملکیت کے دور تک آتے آتے کس طرح سے اجنبی بن گیا اور معاشرہ میں بے تعلق ہونے کی تخلیقی خوبی لاتعلق بننے کی معاشرتی بیماری تک کس طرح پہنچی؟ یہ سوال میں نے رانا صاحب سے کئی بار پوچھنے کی جسارت کی لیکن کوئی تسلی بخش جواب نہ مِل سکا۔پھر یہی بات تنقیدی زبان میں ڈاکٹر اظہر سے بھی پوچھی کہ رومانیت کی تخلیقی حرارت بے گانگی ذات کے یخ بستہ حصار میں کس طرح افسردہ ہو جاتی ہے لیکن حاجی کی ذات کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب بھی کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکے۔اس کی دراصل وجہ یہ

ہے کہ اُن کو حاجی صاحب کی معاشرتی شخصیت زیادہ پیاری اور لاڈلی لگتی ہے۔ جب ہی وہ فضل راجوروی کو اتنی اہمیت نہیں دیتے۔ لیکن فضل راجوروی بھانڈے کو پھوڑ ہی دیتا ہے:

عمر کو چرخو پھیر غریبی گرو کی ٹُند توڑ گئی

(عمر کے چرخے نے گردش میں آکر غریب جوانی کی تانت کو توڑ کر رکھ دیا)

میرے خیال میں یہی تانت حاجی صاحب کی شاعری کا جُزو اعظم ہے۔ یہ تانت ٹوٹ جائے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ راج ہنسوں کے جھُنڈ کی قطار ٹوٹ گئی اور ایک راج ہنس ہماری آنکھوں کے سامنے آسمان کی بلندیوں سے گر کر دم توڑ بیٹھا۔

لڑوں لڑوں ٹُٹی ٹُٹی کونج نہ اُڑاریئے
ہر تِھئے حیاتے رے بے اعتباریئے

(ترجمہ: انگ انگ قطاروں میں کھینچ کر قازوں کو نہ اُڑایئے۔ کیونکہ اس بے اعتبار اور آلام زدہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں اس بے اعتباری کے بعد موت سرہانے زندہ رہنے کی کیفیت زندگی نہیں بلکہ شرمندگی بن کے رہ جاتی ہے۔

کھُٹو ہجر کو جڑے کا نہاں موت سرہانے زندو ہاں
او سجنا اِس موت کے ہتھوں مُچ ڈاڈو شرمندو ہاں

ترجمہ:۔ نہ جانے موت کے سرہانے ہوتے بھی کیوں عالم جُدائی میں گھٹنوں کے بل چل رہا ہوں۔ اے میرے دوست میں موت کے ہاتھوں بہت شرمندہ ہوں کہ ابھی تک کیوں زندہ ہوں۔

اب زندگی گزارنے کی ایک صورت ہے جسکا ذکر خاکسار نے عالم شباب کے کسی زمانے میں کسی شعر میں یوں بیان کیا تھا

اک کہانی کا فقط موت ہی عنوان ہو

دھوپ کو چاندنی کہیئے کہ شعر آسان ہو

لیکن فضل راجوروی آلام حیات کی شکایت کرنے کے باوجود اور طرح طرح کی مصیبتوں کے باوصف تصوراتی زندگی کے بدلے معروضی حالات میں ہی زندہ رہنے کو ترجیع دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اِس کا واحد سبب وہ بے پناہ تخیل اور تصور ہے کہ۔

ع خابان اندر آن جگاوے یادیں بسیو جاتو نہیں

ترجمہ (وہ نیندوں میں مجھے جگاتا ہے اور یادوں میں اسقدر بس گیا ہے کہ بھلائے بھی بھلا نہیں سکتا۔

ع پرکھ شناخت میری دے گی دھرتی نال پیار کے ناطے

ترجمہ (میری پہچان یہی نشانی ہے کہ میں دھرتی کے ساتھ بے لوث پیار کا رشتہ رکھتا ہوں) اور وطن کے ساتھ شناخت کرانے کے بعد وہ مُشترکہ دُکھ شروع ہوتا ہے جس کو فضل راجوروی اپنی شاعری کا موضوع سُخن بناتا ہے۔

ع نیل پری کشمیر کو عاشق شعروں ماں کھُل بین کرے

کشمیر کی نیل پری کا عاشق شعروں میں اپنی محبت کا کھُل کر اظہار کرتا ہے۔

جب سُخن کا یہ حجاب فضل راجوروی کے ہاں فن کی صورت اختیار کرتا ہے۔ تب نیل پری کا یہ عاشق نیل ناگ سے منگلا سر تک تمام فاصلوں کو

مٹاتے ہوئے کہتا ہے:

ع　　ویری ناگوں ٹپکو دھو کے نگلے خضر نچوڑے

(ویری ناگ سے اپنی پگڑی کو دھو کر حضرت خضرا سے منگلا سر لیکر کر نچوڑتا ہے)۔

حاجی صاحب کا کہنا ہے کہ یہ نظم لکھتے وقت میرے ذہن میں ایک طرف سے ویری ناگ تھا اور دوسری طرف منگلا جھیل اور میاں محمد بخش کی ذات بابرکت تھی.........لیکن روحانیت اور شاعری کے اس پل کے علاوہ مجھے اِس پس منظر میں اُن ساری لوک روایتوں کی جھلک نظر آتی ہے جو بارھویں صدی عیسوی سے لیکر اٹھارویں صدی عیسوی یا سنسکرت شاعر کھشیمندر کے ایک خانہ بدوش نسواتی کردار سے لیکر نتھیا گجر کی ڈھینڈی گجرانی تک ہم کو لوک کہانیوں میں ملتی ہے۔ فضل راجوروی کی شاعری میں جو علامت سب سے زیادہ واضح اور پسندیدہ ہے وہ پیر پنچال ہے اور یہ علامت ہماری ذاتی دوستی کا بھی ایک حصہ بن گئی ہے۔ اُنیس سو پنسیٹھ سے قبل جب حاجی صاحب کے ساتھ میری ملاقات نہیں ہوئی تھی تب اُنہوں نے ریڈیو سے میرا یہ شعر کہیں سُن لیا تھا۔

ع　　پیر پنچال کی اوٹ سے نکلا راجوری کا چاند
　　پھر اُس بن کو لوٹتے پنچھی گھات میں ہیں صیاد

اب جو رانا صاحب کی محبت حاصل ہوگئی تو پنچال رنگ ان کی شاعری میں اپنا گہرا رنگ اُبھارتا نظر آیا۔

ع...... پیر پنچال رجوروی کا پھُل چُن چُن پو یو ہار غزل کو

ع...... سب کو چن اِک گگناں کو میرو پیر پنچال کو چن رے

ع...... برف چِٹو لہُو لال نہ ہو یو پیر پنچال کی مِٹیاں کو

ع...... پیر پنچال کی چوٹی اُپر رتی چُنی بوہٹی اُپر

ترجمہ:۔ پیر پنچال اور راجوری کے پھول چُن چُن کر میں نے غزل کی مالائیں سجائیں۔

سب لوگوں کیلئے آسمان کا چاند اور میرا چاند پیر پنچال کا چاند ہے

پیر پنچال کی مٹی کا لہو گرم اور سُرخ ہے وہ برف کی طرح سفید نہ ہوا۔ غرض پیر پنچال کے لوگ محبت اور گرمجوشی کا نمونہ ہیں پیر پنچال کی چوٹی کے اوپر لال رنگ کی ساڑھی جھلک رہی ہے۔

گویا پیر پنچال پہاڑ حاجی رانا صاحب کی شاعری کی انگوٹھی کا ایک ایسا نگینہ بن کے رہ گیا ہے کہ میرا جیسا پہاڑی آدمی اس پہاڑ آدمی (Mountain of a man) کا عاشق ہو کر رہ گیا۔

میں حاجی رانا صاحب کی شاعری کا تجزیہ کرنے کا شاید کبھی بھی اہل نہیں ہوسکوں گا۔ یہ کام تو ڈاکٹر اظہر اور ڈاکٹر آفاقی کا ہے مجھے تو صرف اتنا کہنا ہے کہ جب حاجی صاحب کا جوان فکر سپوُت سرور ٹنچ ایک ادبی محفل میں میرے ساتھ مُخاطب ہو کر کہہ رہا تھا:۔

دَس کھان یا غریب الوطنان کے کچھ تیرو حال

رُسل طاوس اڈ گئے تیناں دیس تیرو نہال

(اے غریب الوطن دوست اُستاد کیا حال ہے تمہارا اور کیسے گزر رہی ہے۔رسول طاؤس آپ کا انتظار کر رہا ہے چلو اپنے وطن بانہال چلیں)۔

حاجی صاحب جو ادبی مجلس کے میزبان تھے بھری محفل میں رو رہے تھے ...... اُن کے اُن آنسوں کو دیکھنے کی مجھ میں ہمت نہ تھی۔لیکن حاجی صاحب ایسے آنسوؤں کو اپنے اشعار میں لڑیوں کی صورت میں پرو لینے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ایسے دل گداختہ شاعر کی شخصیت کے متعلق صرف بیگم سروری کسانہ کی ایک تحریر کا حوالہ دینا کافی ہے۔بیگم صاحبہ لکھتی ہیں کہ"سن ساٹھ کی پہلی دہائی کے شروع میں ہم پر سفید پوشی کے دن تھے کہ حاجی صاحب (حاجی رانا) صبح سویرے ہمارے گھر میں تشریف لائے اور آتے ہی ہم کو ڈانٹنے لگے کہ آپ لوگوں کے بھلے کرتوت ہیں کہ ایسی حالت میں بھی دِن چڑھتے تک سوئے رہتے ہو یہ وہ جوان سال حاجی تھا جس کو محترمہ نسیم بیگم نے پہلی بار دیکھا تھا۔پچیس برس گزرنے کے بعد اب جو حاجی کبھی صُبح سویرے ہمارے ڈھیرے کی طرف نکل آتا ہے تو کہتا ہے کہ بستر ے میں لیٹے رہو۔میں صرف خیر و خیرت پوچھنے کیلئے آیا ہوا تھا.......... یہ پردیس کے صحرا کی وہ سوچ ہے جو حاجی صاحب کے چہرے پر بسا اوقات سنجیدگی کا روپ دھارتے ہوئے نظر آتی ہے۔

ایک وہ سکھ کا ساتھ کہ مدہوش تیرا دِل بھی دُکھایا
ایک یہ غربت کے صحرا کی سوچ کہ تیرے دُکھ اپنائیں

لیکن پھر نیل پری کا یہ عاشق وانگت (لار) کی بابا نگری کو یاد کر کے اور نغمہ وشعر کا جادو جگا کو ہم پھر اُسی مشترک دُکھ کی طرف کھینچ لاتا ہے۔

پینڈ المیر اتے ٹُر یا مسافر سجنا کا میلا لگنا ہیں لار

(مسافر بہت لمبے سفر سے چل پڑے اور کہتے ہیں کہ لار میں بہت بڑے میلے میں شریک ہونا ہے)۔

سوال یہ نہیں کہ غم حیات کا یہ لمبا سفر کب طے ہوگا لیکن سوال یہ ہے کہ بابا نگری کا بنجارا بابا نظام الدین لاروی (مرحوم) اور فضل راجوروی کی شاعری یا درد کے اس رشتہ کو کوئی طاقت جُدا کر سکتی ہے۔ جو ویری ناگ اور منگلا جھیل کے درمیان آنسوؤں کا پُل بن کر مُعلق ہے۔ جب وانگت نگری کے بابا اور منگلا جھیل کے کنارے مہاجرت کی زندگی گُزارنے والے فضل راجوروی کے درمیان شاعری میں بقول میر تقی میر'' راہ سُخن'' نکل آئے گی۔

آتھروں نا پچھے کوئی رسو کتھوں آنویں تم

کڈھ کے رُت کلیجہ وِچوں پانی کیوں بناویں تم

(بھلا آنسوؤں کو کوئی یہ پوچھتا ہے کہ تم کہاں سے آئے اور تم نے کلیجہ سے خون کو نچوڑ کر کیسے پانی بنا دیا)

احساس یا مشترک دُکھ کی اس سطح پر آ کر مظفر آباد کے مارے ہوئے احمد شمیم کو بھی جہلم کے پانیوں میں سری نگر کی بُو باس بسی ہوئی نظر آتی ہے اور طاوس بانہالی بھی رام بن سے بہتے ہوئے چناب یا بچھلڑی نالہ کو اپنی شاعری کا منبع سمجھنے لگتا ہے............اس طرح سے کشمیر کے بیسیوں بندے فضل

راجوروی کی شاعری میں ظاہر ہو کریوں نوا پیرأ ہوتے ہیں۔

سرِ جوڑ پکھروں سوچ کریں ہائے سوٹھا سانجھا درداں کا
کوئے جرگا لایا چڑیاں نے اک بچھڑی کونج اُڑا دی ہے

سب پرندے مل بیٹھ کو اپنے مشترک دُکھ کا اظہار کر رہے ہیں۔ چڑیوں نے یہ ہنگامہ اُٹھایا ہے۔ کہ ایک بچھڑے ہوئے راج ہنس کو کیوں بھگا دیا۔

طاؤس

(ترجمہ گوجری سے اردو میں)

منشوؔر بانہالی

☆

رانا فصل حسین نے طاوس بانہالی کے نام گوجری زبان میں کئی منظوم مکاتیب لکھے ہیں جن کا طاوس نے گوجری میں ہی منظوم جوابات دئے ہیں ان میں سچ کی سولی، یاد کی سسُر، پیر پنچال، اکھر پھلُ، سانجا دکھڑا، نیلم کا پڑ اور اکھر اا کھر ا پیارا عنوان سے مکاتیب ہیں۔ یہاں نمونے کے طور پر چند مکاتیب درج کئے جاتے ہیں۔

حُب طاوس

(طاوس بنہالی کے ناں)

گوجری غزل اجھی یارا مناں فیر سنایئے
تیری مرضی سُچیا شاعر بھایویں نظم بناویئے
گگن اُچیرے عرش اپڑاوے توں خیال اُن چھوہ نا
میاں محمدؒ می زمیاں ماں قلم سیاڑ چلایئے
سوچ دھیان گیان تیرا نا قابو کون کرے گو
ریس تے رتجھ تیراں شیراں کی پار اور اُڈایئے
لم سلمی غزلاں کو یوہ میں انداز اپنایو
فیض ہمیشاں فصل نماناں سیف ملوکوں پایئے

......................جاری

طاؤس کی محبت میں

(رانا فضل حُسین طاؤس بانہالی کے نام)

میرے دوست مجھے پھر سے ایسی ہی گوجری غزل سُنا یئے۔اگر آپ کی
مرضی ہو تو ایسا ہی سچا کلام پھر سے موزون کرنا۔

تو آسمان کی بلندیوں سے اور عرش کے اوپر سے اپنے ان چھوے
خیالوں کی بدولت میاں محمدؒ کی زمین میں اپنی قلم کو ہل کی لکیر کی طرح چلاتا جا۔

آپکے بلند خیالوں تک کس کی رسائی ممکن ہے۔آپ کے اشعار کی رفتار
اور پرواز۔سرحدوں کو پھلانگ دیتی ہے۔

اے رانا فضل آپ کی غزلوں کو پڑھکر مجھے اندازہ ہوتا ہے۔کہ آپ کو
سیف الملوک کا براہ راست فیض حاصل ہوا ہے۔

میاں سیف الملوک باباؒ کی شاعری کا ایک الگ اور نیا رنگ ہے۔اے
فضل اگر آپ کو یہ رنگ پسند نہ آیئے تو اِسے نہیں اپنانا۔

آپ نے میاں محمد کی زمینوں میں اپنے کلام کے پھول کھلائے ہیں۔
آپ کے کلام سے یہ لگتا ہے کہ آپ دونوں کی دوستی بہت مضبوط ہے۔

تو بانہال پیر پنچال کے علاقے سے اُٹھ کر دریا کے کنارے بیٹھ گیا ہے۔اب جی بھر کر حقہ پی لو اور دُکھ کو برداشت کر لو۔

ایسا نہ ہو کہ آپ کو تھکاوٹ ہی ہمیشہ رہے۔

آپ نے گرمی کی رات میں خوب شب نامہ لِکھ ڈالا اب اس میں اس سے زیادہ اضافہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

آپ نے چاند کی روشنی کی طرح لوک ادب کی روشنی کا اُجالا پھیلایا۔ آپ نے خاموشی کے ساتھ چوٹیوں کو ہموار کیا۔اب پھر بھی کیوں خوش نہیں ہو۔

عام فہم اور سادہ شاعری تو گوجر بھی کر لیتے ہیں لیکن آپ کے مقام کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔آپ کی شاعری نے میری واقفیت میں کافی اضافہ کیا۔آپ اپنی شاعری کو خوب اچھی طرح جاری رکھنا۔

اے سیف الملوک رانا فضل کو شاید واسک ناگ کی ادا پسند آئی ہے اُس نے ''کتھاسرت ساگر'' کی صورت اختیار کی ہے۔آپ مجھے بھی ایسا ہی حوصلہ بڑھانا۔

اے طاؤس تو نیل ناگ ہے اور میں ہی مال مجھے کبھی نہ بھولنا
اے نیلم نیل کی پری اب پاس آنے سے نہ شرمانا

شاردا کی خوبصورت گجری آج بھی اُسی جگہ پر مقیم ہے
بہت سارے گجر بھی بدُھ تھے یہ بات کنشک تک پہنچا دنیا

تم میرے کشمیر کے یُوسف ہو جس کی قمیض کو زلیخا نے پکڑ لیا ہے
اگلا اور پچھلا دامن کا حصہ پھٹ گیا ہے
اب کس سے اِس کو سلوائے

میرے جیسے بھائیوں نے آپ کو اندھے کنویں میں پھینک دیا
اب آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تمہیں کہاں تلاش کروں

اے طاؤس رانا فضل کی قلم بابا نظام الدینؒ کی زمینوں میں لکھتے رکتی نہیں ہے۔
اب آپ کھڑی (راجوروی) سے وانگت (لار) تک جا کر اس کو رُکوائے
سرور نے مجھے دو غزلیں بھیجی ہیں جو میں آپ کو بھیج رہا ہوں
میں نے اس کو شاعری کا ہُنر بتایا اب آپ اُس کو مزید سکھانا

اگر تقدیر کا لکھنا میرے ہاتھ میں ہوتا تو میں ایک لمحہ بھی ضائع نہ کرتا
اور آپ کے نام حضرت خضرؑ کی لمبی عمر لکھ دیتا۔

گوجری بولی میری مادری زبان ہے میں اِس پر کیوں فخر نہ کروں

میں اپنی زبان کی لاج آپ کے ہاتھ میں دیتا ہوں۔

ایک استاد اور شاگرد کے ناطے آپ نے مجھے پروان چڑھایا
اب آپ مجھے بابائے گوجری کے نام سے سبھوں میں متعارف کرنا

میرے خیال میں نندہ ریشی ہمیں پیر پنچال اور چرار شریف سے بُلا رہا ہے
طاؤس آ وبانہال کے راستے وہاں چلیئں ۔اب دیر نہ کرنا

ریشی نامہ کو اپنے ساتھ لگائے رکھنا تا کہ آپ کی پہچان ہو جائے
آپ اِسے یوں بیان کرنا تا کہ ہر آنکھ پانی ہو جائے اور خون کی پھواریں پھوٹ پڑیں۔
للہِ عارفہ ہمارا راستہ دیکھ رہی ہے کہ بانہال کا سپوت واپس آ جائے
پیر پنچال کا پہاڑ بہت اونچا ہے آپ چاند کو ہمسفر بنانا

حبہ خاتون ہمیں یاد کر رہی اور گجرانی بھی بُلا رہی ہے
اے فضل اب آپ خوبصو۔ت شعروں کا تخت سجانا

☆

دردفراقاں آلی چھِٹی

طاؤس کی رانا فضل کے ناں

آ دِلڑی اُس جلتا دیس کی یاد ماں ہُوکا بھریئے
جس تیں دُور سمندر کنڈے جی سکیئے نہ مریئے
ہجر کی لم سلمی رات کو اک ''شب ناموٗ'' لِکھیئے
ہُسرڑ رُت جے رُسڑ جائے اکھریں کھیچل کریئے
اُپر رجوری چڑھتا چن کا چانن رج کے تکیئے
ڈھکیاں ڈھاکے چوری چوری کدتوڑی دُکھ جُریئے
سیف ملوک کے اندر لبھیئے باشک ناگ کی رمزیں
وادی کی ہیمال نالبھن تلپاتالِ اُتریئے
پربت جائی موج کشیرے حُورے سچ سُندریئے
تیری کہانی نے جگ جانے ''کتھاسرت ساگریئے''
تیری اکھ کا تِل ہوں نِل ناگ کی جیوتی دیکھوں
شاردا کی گُجر بیٹیئے نیلم نِیل امبر کی پریئے
کشمیری یوسف کو دامن پیراہن نہیں لُکنو
اُنھے کھُوہ سنایئے بھانویں مُنڈی ماں مُل دھریئے

دردِ فراق بھری چِٹھی

طاؤس کارانا فضل کے نام

آجا میرے دِلبر اُس جلتے دیس کی یاد میں حقہ پی کر دل کے بوجھ کو کم کریں۔ جس دیس سے دور ہم سمندر کے کنارے بیٹھے ہیں جہاں نہ اچھی طرح سے جی سکتے ہیں اور نہ مر ہی سکتے ہیں۔

جُدائی کی پوری لمبی رات کا ایک شب نامہ لکھیئے گا۔ گرمی کی رات میں جب دوست روٹھ کر دور چلا جائے تو آنکھیں رو رو کر خراب ہو جاتی ہیں۔

راجوری کے اوپر چڑھتے ہوئے چاند کی چاندنی کو جی بھر کر دیکھ لینا۔ اِن پہاڑوں کے پیچھے کب تک چھُپ چھُپ کر غم ہستے رہو گے سیف الملوک کا مطالعہ کیجئے اور واسک ناگ کے اشاروں کو سمجھ لیجئے اور وادی کی ہی مال کو پانے کیلئے تل پاتال میں اُتر جائے۔

''اے مادرِ کشمیر'' پہاڑوں کے بیچ میں تو سجی ہوئی حور کی مانند ہے کتھامت ساگر'' کو پڑھ کر پوری دنیا آپ کے حسن سے باخبر ہو گئی ہے۔

تیری آنکھ کے تِل میں مجھے نیل ناگ کا چشمہ نظر آتا ہے۔ تو گویا شاردا کی بیٹی ہے اور نیلم کی نیل امیر پری ہے۔ تو کشمیری یوسُف کے پھٹے ہوئے دامن پیراہن کی طرف نہیں دیکھنا۔ بیشک تو اُسے اندھے کنویں میں پھینک دے لیکن اُسے سستے داموں فروخت نہ کرنا۔

سُوہا جوڑا

طاؤس بانہالی کا خط کا جواب ماں

فر بہار بساکھی آئی بُور گیا اَم یارا
جھونسیا کیوں بادام شگوفہ ساڑ گیا ڈم یارا
فِر بن باس بنہال رجوری پھُلتی نہیں پھلواڑی
کیوں سیاہ پھوٹ بہاراں کی رُت دُھواں کالَم یارا
کدے پپیہا بولیں ویں تھا خوش آواز پکھیروں
ساڑ دِتا کسے دور کی اگ نے موراں کا کھم یارا
باس بارُود کی کھنڈی پھُٹی پیر پنچال کی برفوں
روتاں میں ٹکیاڑ کی اکھیں سہہ تکیا بم یارا
چُنی سِر تیں لتھی دیکھی پیر پنچال پری کی
راگس بھُوت پَر دندی چھلیں ریشم تے پھم یارا
اگ نمرودی مُچیا بالے ہُولا بھامبڑ لانبا
عرش فَرش پنچال تیں باندے لبھیں اگ اکیر انگارا
وُلر دل کا پانی سڑیا اکھ نُوری چھم یارا
لہولہو ویری ناگ تیں اُمیاں رَتا چشماں شاہی

رَت رَت پانی گُندل بکتو بچلڑی خم یارا
جموں توی مناور اتھروں لہو لہو چندر بھاگا
نیل سَراں کی نیل پری تے سُوہا جوڑا لایا
رَتا اتھروں باپھل باپھل اکھ لہو نَم یارا
کوثر نتن سَر کا پانی منگلے آدُکھ دَسیں
اکھ کو پانی مرگیو تھارو ہم پتھر تَم یارا
مَوتوں ڈر کے مَر گیا لبھاں ہم ڈَر پوگل بندا
جیتی لاشاں کا شہراں ماں کیوں جئیاں ہم یارا
پنڈے چِٹو لہو برفانی دِل کا لا سِر ہندا
کے جینو فِر جیکر نہ مُکیا گم یارا
ظلم اگے جے آکڑ کھلیا تاں کوئے بھیت کھُلے گو
سَرمد تے منصُور کا تکیا چیر دِتا چم یارا
سُکھ سواد روا نہیں ہم نا کھَل اُدھیڑ کے جینو
مکھن پنڈے جھلیا ہم نے گولیاں کا گم یارا
جین مرن کی اِکا باری ہم جھُوراں کیوں مرنوں
پَلا چھنڈ کے ٹُر جانواں گا ساہواں کا دم یارا
جینو سَرس اَدیڑاں ہو کے گردن رکھ اُچیری
اوکھے پینڈے ہمت کر کے مَند کنڈا جھم یارا
اپنا دُکھ چھپایا رکھنا دوُجاں کا دُکھ بنڈنا

رکھ ہمیش ہمیش پیغمبری پیشو جیئو جم جم یارا
لِساں کی توں کند بَنے تاں فِر تاریخ بَنے گی
ڈھانو سَو کھ چانو ادکھو گُرھتاں نا تھم یارا
لا پربت اجھی محمدؐ جگ بِچ رہے کہانی
فصلؔ ہمیش ہمیش جیئے گو کر چنگا کم یارا

☆

سوہاجوڑا

(طاؤس بانہال کے خط کے جواب میں)

میرے دوست پھر موسم بہار اور بیساکھ کا مہینہ آگیا اور دِل کا چین ختم ہو گیا۔

بادام کے شگوفے کیوں جھلس گئے اور آگ کیوں بڑھک اُٹھی
بانہال راجوری کے پہاڑوں کی پھلواڑیاں کیوں نہیں کھلتیں
کیوں بہاروں کے موسم کی رُت دھواں کا ڈھیر بن کر رہ گئی ہے
وہ بھی دِن تھے کہ یہاں پپیہے اپنے میٹھے بول گایا کرتے تھے
یہ کس غم کی آگ نے موروں کے رنگیلے پروں کو بھسم کردیا
پیر پنچال کے برفیلے پہاڑوں سے بارود کے دھویں کی بُو پھیل گئی۔

میں نے جانوروں کی آنکھوں کو روتے ہوئے دیکھا۔ بموں کی گن گرج سے۔

پیر پنچال کی پری کے سر سے میں نے شرم وحیا کا ڈوپٹا سرکتے ہوئے دیکھا۔

میں نے دیکھا کہ راکھشس اور بھوت، ریشم اور روئی کو بکھرا کر رہ گئے

نمرُود کی آگ سے لمبے امدار شعلے بڑھکنے لگے۔
اور اِن شعلوں کی لپک نے فرش سے عرش تک پہنچ کر سب کچھ جلا کر رکھا دیا۔

پیر پنچال پہاڑ سے صاف طور پر آگ اور شعلے نظر آتے ہیں
وُلر جھیل کا پانی اور نوری چھم کے آبشار جل کر رہ گئے
ویری ناگ اور چشمہ شاہی کا پانی لہو رنگ ہو گیا
پانی خون بن کر جم گیا اور سوکھ گیا
دریائے توی اور منا ور آنسوؤں سے بھرے ہوئے ہیں
اور بچھلڑی دریا کا پانی خون ہی خون بن گیا
جس طرح نیل برائے کی پری لدل نے سرخ جوڑا پہنا ہوتا ہے
اُسی طرح پھر آنکھ لہولہو نظر آتی ہے
کوثر ناگ اور مٹن سرناگ کا پانی سنگلاتر کو اپنا دُکھ سنا رہے ہیں
کہتے ہیں کہ ہم مر گئے ہیں اور پتھر ہو کر رہ گئے کیا آپ کی آنکھوں کا پانی ختم ہو گیا ہے
ایسا لگتا ہے کہ ہم موت کے ڈر سے مر گئے ہیں اور ہم ڈرپوک ہو گئے ہیں۔
ہم کیوں ایسے شہر میں جی رہے ہیں جہاں زندہ لاشیں ہیں
ہمارے جسم کا خون برف کی مانند سفید ہو گیا ہے
دل کالے ہو گئے ہیں او سر جھکا ہوا ہے۔ ایسی زندگی کا کیا فائدہ ہے کہ

ساری عمر غم سے چھٹکارا نہ ملا

اگر ہم ظلم کے خلاف ڈھٹائی سے مقابلہ کریں گے تو کچھ نہ کچھ بھید ضرور کھل جائے گا۔ آپ نے نہیں دیکھا کہ سرمد اور منصور کو سچ بولنے کی خاطر جسم کا چمڑا نوچ لیا گیا۔ اور موت کے گھاٹ اتارا گیا۔

ہمیں سکھ اور چین سے جینا نصیب نہیں ہے بلکہ ہمیں چمڑی اُدھیڑ کر جینا ہوگا۔ ہمارے مکھن سے ملائم جسم کو گولیوں کے زخموں سے چھلنی ہونا پڑا ہے۔

جینا اور مرنا تو ایک ہی دفعہ ہے اسلئے ظلم سہہ کر بزدلی سے کیوں مریں۔ ہماری روح ہمارے جسم کو مکڑے کے جھالے کی طرح جھاڑ کر پھنک دے گی اور رخصت ہو جائے گی۔ اور اسی کے ساتھ ہماری سانس نکل جائے گی۔ اسلئے ہم کیوں نہ سر اونچا رکھ کر زندگی گزاریں۔

جینے کا لطف تب ہے کہ آدمی سر اونچا رکھ کے جی لے۔ ٹیڑھی بستی میں ہمت کر کے جیو اور کانٹوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرو اپنے دکھوں کو چھپا کر رکھنا اور دوسرے کے دکھوں میں شریک ہونا شیوہ پیمبری ہے۔ اور اسی پیشہ کو اختیار کر کے عزت سے زندگی گزارو اگر تم کمزور کے لئے سہارا بنو گے تو تاریخ تم کو ہمیشہ زندہ رکھے گی۔ لوگوں کو گرانا آسان ہے لیکن اٹھانا مشکل ہے اس لئے بہتر یہی ہے کہ تو گرتوں کو تھام لے۔

اے فضل اگر اچھے کام کرو گے تو تم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے امر ہو کر رہ جاؤ گے۔

سچ کی سانجھ

کد فر ہم چچھال چلاں گا گُجر ناڑ چلاں گا
سوہنٔے سبز بنہال کے ڈنے پکڑی آڑ چلاں گا
کد ہم پیر پنچال تکاں گا سوہنا سَر کد لبھنا
نیلا تَلا دیس کا بَن کے سادا چھاڑ چلاں گا
پتنی ٹاپ تیں جا کے لنگھنو کُد بٹوت کے راہیں
تکتا تکتا رجتا نہ رے اکھ اُگاڑ چلاں گا
بیل آکاس جِتا پیلیس کی رُکھ تیرے چمڑے گی
کد فِر ادہ دن آوے یارا طرف پہاڑ چلاں گا
جیون شاہؒ کو جموں تکنو رام بنوں لنگھ جانو
توی چناب کا پتھر تکنا کچھنا کاڑ چلاں گا
چل سمادھی جُتو کی ہم دیکھاں گُڑی بُلادے
ڈھیری کنک اُچیری اُپر لہو فِر چاڑھ چلاں گا

خالی پھہ ترِنگل چاکے نہ جھُکی ٹُر جانو
پیٹ اپنو یا سِر ٹھاکر کو پھاڑ پچھاڑ چلاں گا
گِدھ تُرنڈیں چُونڈیں چُوسیں رَڑکیں رِچھ دولَتیا
اُلو گِدڑ شِکرا دیسوں مارا اُجاڑ چلاں گا
راگس بھُوت بلاواں نا ہم شچ ہتھیاروں ماراں
ظُلم اگے ہم کندھ بناتا اُچی باڑِ چلاں گا
گور بجُو گوراں تیں کڈھاں لُٹاں کفن چوراں نا
لابھ کی جھولی چھنڈ پٹاکاں پلا جھاڑ چلاں گا
بندے فروشی پر پابندی لاسکیا تاں لانواں
تُوند ظلم کی جھڑی لبھے گوگڑ پاڑ چلاں گا
لابھ کی تھِندی گوگی خاطر جو کشمیری بیچیں
نَویں نسل کا پیراں تھلے مار لتاڑ چلاں گا
آہ غریب کی اگ بنے گی بھانبڑ چل بھڑکانواں
ظلم کا محل منارا سارا ساڑو سہاڑِ چلاں گا
لابھلیاں کی نرگ بنانواں سُورگ سَچ سپُوتاں
رَت گرمے گی گوسی گوسی جذبہ کاڑھ چلاں گا
پربت شنکر چوٹیاں اُوپروں لابھ کا جن اتاراں
توڑ مروڑ ظلم کا راگس گوڑ گوراڑ چلاں گا
سچ کی دِنی بالِ اندھیرا کا لکھ دُور کراں گا

اگے بدھتا چلتا کرتا ختم بگاڑ چلاں گا
دیکھے راہ رجوری مھارا پیارا لوک اُڈیکیں
لنگھ پروڑی گُجراں نالے چنبی تراڑ چلاں گا
اگے لسُو خان چلے گو تکتو اُچیئیں دھاریں
ہم بھی نال شاگرداں یارا کاہڑو کاہڑھ چلاں گا
سونا سرتے سونا مرگیں بھِینہ گُلمرگ چلاں گا
پہلگام زوجیلا تکتا لوڑ لکاڑ چلاں گا
ویری ناگ تے دَچھن پارلے پانگا پاڈر جانو
سوہنا سبز بنہال کا اُجا تکیا لاڑ چلاں گا
نیلم کی اپنی پڑیاں نا اگڑی اکھیں تکاں
نیل پری ہم نیل سراں کی سنگڑیں تاڑ چلاں گا
گُلڑناگ کا رستہ بھاکھا رام سُوہاں کا پانی
چل اپنا بن باس تپوشاں نگر چراڑ چلاں گا
فضل طاؤس پنچال کی چوئی سچ کی سانجھ بناں گا
ہمت آس کا تکڑا گھوڑا سَٹ سراڑ چلاں گا
سئِو ناکھ تے داکھ ہم کھانا مکھن مکھیر گراہتا
گوجرو گھی ڈکار کے کھاتا ماش کلاڑ چلاں گا
کاغذ جیا بادام اُڈیکیں لذت دار اخوڑا
رُکھ چنار بہار کا پٹّا ساون ہاڑ چلاں گا

کاغذ جیا بادام اُڈیکیں لذت دار اخوڑا
رُکھ چنار بہار کا پڑکا ساون ہاڑ چلاں گا
منظر ایسا چھکوں یارا نقشہ کھنچ دَسانوں
باندے ڈل تے وُلر آنوں تکیا جاڑ چلاں گا
فِر ڈوگا کیسر کا ہیلا نواں نکور اُگاتاں
قلم غنی اقبال کا بن کے مار سیاڑ چلاں گا
اِک مہجور آزاد فضل تے اِک طاؤس بنہالی
پیر پنچال ہم شعر ادب کا بن ٹکیاڑ چلاں گا

☆

سچی شراکت

اے میرے دوست، اب ہم کب چا چھال اور گجر ناڑ چلیں گے۔ بانہال کے نظارے کتنے پیارے ہیں ہم پہاڑوں کے اوپر سے چل کر وہاں پہنچیں گے۔

ہم پیر پنچال کو کب دیکھیں گے اور خوبصورت جھیل کو کب دیکھیں گے۔ ہم دیس کا بن کر دھوپ اور چھاؤں میں چلیں گے پٹنی ٹاپ سے گزر کر ہم کُد اور بٹوت کے راستے سے جائیں گے۔ ہم نظاروں کو دیکھ کر بلکل تھک نہ جائیں گے اور ہماری آنکھیں نظاروں کو دیکھتے ہی دیکھتے رہیں گیں۔

بیل آکاس اور جِتا پیلس کے ساتھ کب تک لپٹ کر رہو گے۔ وہ دِن کب آئے گا جب ہم پہاڑوں کی اور چلیں گے۔ ہماری آنکھیں نظاروں کو دیکھتی ہی دیکھتی رہیں گی۔

بیل آکاس اور جنا پیلس کے ساتھ کب تک لپٹ کر رہو گئے وہ دن کب آئے گا ہم پہاڑوں کی اور چلیں گے رام بن سے گزر کر ہم جموں پہنچیں گے اور بابا جیون شاہ کے جموں شہر کو دیکھیں گے۔ ہم اور دریا چناب کے

پتھروں کے بیچ میں سے گزر کر چلیں گے۔

چلو بابا جتو کی سمادھی کو دیکھیں۔ بوا کڑی ہم کو بلا رہی ہے۔ چلو گندم کے ڈھیر پر پھر اپنا لہو چڑھا دیں گے یہی صرف بیلچہ اور ترنگل اٹھا کر چلنا ہے۔ یا تو اپنے پیٹ کو یا پھر ٹھا کر کے سر کو پھاڑ ڈالیں گے۔

گدھ چونچوں سے نوچ رہے ہیں اور دو ٹانگوں والے درندے اور ریچھ کاٹ رہے ہیں کھا رہے ہیں۔ چلو اُلو گیدڑ اور درندوں کو مار بھگاتے راکھشسوں اور بھوتوں کو ہم سچائی کے ہتھیاروں سے خاتمہ کریں گے۔ ظلم کے آگے ہم اونچی دیوار کھڑی کر دیں گے۔ قبرستان سے ہم کفن چوروں کو بھگا دیں گے۔ ہم لالچ کی جھولی کو جھڑک دیں گے اور دامن کو خالی کر دیں گے۔ اگر ہم سے ہو سکا تو ہم جسم فروشی کے دھندے کا خاتمہ کر دیں گے۔ ظلم کے بادل جہاں بھی نظر آئیں گے ان کو ہٹا کر رکھیں گے۔ لالچ اور فاسد کی جو تلی ہوئی روٹی کشمیری فروخت کر رہے ہیں۔ اُسے نئی نسل کے پاؤں کے نیچے روند کر چلیں گے۔ غریب مظلوم کی آہ! آگ کی طرح بھڑک جاتی ہے۔ چلو ہم اس آگ کو اتنا بھڑکائیں جو اُنکے اونچے محلوں اور میناروں کو خاکستر کر دے۔

لالچی لوگوں کے لئے ہم جہنم بن جائیں گے اور سچے لوگوں کے لئے جنت۔ ہم اپنے جذبات میں اتنا اُبھال لائیں گے کہ ہمارا گرم گرم خون زمین پر گرتا رہے۔

ہم شنکراچاریہ کے پہاڑ کی چوٹیوں سے لالچ کے بھوتوں کو نیچے اُتاریں

گے۔ ظلم کے جورا کھشس ہیں ان کو مٹا کر رکھیں گے۔ سچ کی روشنی کو جلا کر۔ کالے اندھیرے کو دور کریں گے۔ آگے چلتے رہیں گے اور برائیوں کو مٹاتے رہیں گے۔

راجوری کے راستے ہماری طرف نظریں اٹھا کر دیکھ رہے ہیں اور ہمارے پیارے لوگ ہمارے منتظر ہیں ہم پرڈوں کو اٹھا کر اپنے لوگوں کی طرف چلیں گے۔

آگے آگے لسوخان چلے گا، اونچی ادھواروں کو دیکھتے ہوئے اور ہم بھی شاگردوں کی طرح اس کے ساتھ ساتھ چلیں گے ہم سناسر سے سونہ مرگ اور پھر گلمرگ کی طرف جائیں گے۔ اسکے بعد پہلگام اورزوجیلا تک پہنچ جائیں گے۔ ویری ناگ سے دچھن اور اس کے بعد پانگی اور پاڈر تک جائیں گے۔ بانہال کے اونچے اور سرسبز پہاڑوں کے اوپر سے گزرتے ہوئے جائیں گے۔

ہم اپنی نیلم کی پہاڑی کو اپنی کھلی ہوئی آنکھوں سے دیکھیں گے۔ ہم نیل سراں کو نیلم پری کو دیکھیں گے اور سنگڑیں ناڑ تک پہنچ جائیں گے۔

رام سو کے ٹھنڈے پانی نے ہم کو کگر ناگ کے چشموں کی یاد تازہ کردی۔ چلو اتنے بن باس کو دیکھیں اور پھر چرار شریف کو چلیں۔ فضل اور طاؤس پنچال کے دامن میں سچی شراکت کریں گے۔ ہمت اور امید کے طاقتور گھوڑوں پر سوار کر چلیں گے۔ ہم سیب، ناکھ، انگور، مکھن اور شہد کھائیں گے۔ اور پھر پیٹ بھر کر گوجرہ گھی ارکلدڑیاں کھائیں گے۔ کاغذی بادام اور

لذیز اخروٹ ہمارا انتظار کرر ہے ہیں۔ ہم اسوقت چلیں گے جب چنار کے درخت ہرے بھرے ہوں گے اور بہار اور گرما کا موسم ہوگا۔

میں ایسا منظر کھینچوں گا اور پھر آپ کو نقشہ دکھاؤں گا جس میں ڈل اور وُلر صاف صاف نظر آتا ہوگا۔ کسیر کے کھیت بھرے نئ فصل اگائیں گے۔ ہم غنی اور اقبال کی قلم بن کر ہل کر لکیر کی طرح چلیں گے۔

مہجور، آزاد، رانا فضل، اور طاؤس بانہالی ہم سب اکٹھے چل کر شعرو ادب کا پیر پنچال بن جائیں گے۔

☆

مور کو پنکھ

(طاؤس کے ناں)

اُتی سونوے سَت اُپر چار ستمبر یارا
وقت دوپہریں مِلیا مِناں تھارا اکھر یارا
دَسے گل حیاتی سنگن مور کو کھم اِک آیو
سمجھ گیو اج آیا ہونا پیارا پتر یارا
چیر لفافو چِٹھی کڈھی اِکو ساہ مکائی
رتیرا پریم پتر نا جانے مھارا نبر یارا
پریم پتر دو میرا جیناں تِناں اجے نہ مِلیا
تیری لِکھت ڈِٹھی جیوں چمکیں تارا انبر یارا
کھُب دھرتی ماں لِکھنو تیرو حرف خلوصیں بھرنا
دور تیرا من چیریں میرو آرا کھنبر یارا
تیرا جیا پریم اج کِت ہیں پے گیا کال وفا کا
دُنیا کی نگری ماں تکیا بھارا چکر یارا

مُنکر توں رہوں خبریں مہریں حال نکیر نہ پُچھیئے
افسریاں کی لابھل سوچین بڑا چلتر یارا
میرا مُنکر توں دس مِناں فِر انکار نہ کریئے
لگے مُچ نمانو اجکل پہلو اظہر یارا
پہلا پریم پترماں سنگیا میں تِناں لِکھیو تھو
گوجریاں گلاں کا تِناں ماریا کنکر یارا
بہلو بہلوتوں کُجھ لِکھ لےنہیں تے ہتھ ملاں گا
دَس کھاں کس نے کھسیا لشکن موراں کا پَر یارا
حُکم تیرا کے مافق دَسیو کاج سبھا سرور نا
ادکھ پئی ذیشان کی ادکھا لِکھنا دفتر یارا
ادھو خط لکھ تیرے نامے نہ پورو ہو سکیو
اوکھت آن اُچھچی اپڑی لے کے لشکر یارا
بچھڑاں کا دُکھ سہن نہ سوکھا روگ بڑو یوہ زہری
کالا ناگ لڑیں نِت پھُرنے کالا بِشیئر یارا
لکھوں جواب اتاول کرکے گرم اَڈیک مکاوَں
کوئی سوہنو مضمون نہیں بنتو سوچ ہُن بنجر یارا
یار اڈیکن ہار ہووے گو سَرسا بیت نہ بنیا
لکھنو رہوں گو بھانوں نہیں ہوں اڈ سُخنور یارا

اِس تیں پہلا خط جے مِلیا تُرت جواب چلائیے
نقل رکھوں جو تِناں لِکھیا شعر کا منتر یارا
نقل مطابق اصل کی تِناں عکسی بھیج دیئوں گو
چنگا تِناں کیوں لگیں رے فضل کا جنتر یارا
پیر پنچال ہے میرو تیرو گُجھ اِس بارے دَسیئے
یاد مِناں مرگاں کی آوے یاد ننن سر یارا
اُتوں لنگھی تھی سہجاں سنگ ڈِھینڈی گدری گوری
یاد آوے گُجرانی مِناں سوہنی سُندر یارا
پیر پنچال کا ساگر تجیا تیں سجنا کس برتے
بندے مار کراچی اندر تک سمندر یارا
ہوں اپنی دھرتی نا چھڑوں منگلا کھڑی نہ چھوڑوں
کھڑی رجوری کی مٹی مت بنے فضلؔ گھر یارا
دل کی گل اج طاؤس دَسیئے یاد بنہال نہ آوے
گھر کی کُکڑی لبھے تِناں دال بروبر یارا

☆

مور کا پنکھ

اے میرے دوست، چار ستمبر انیس سو ستانوے دو پہر کو مجھے آپ کے خطوط نظر نواز ہوئے۔ ایسا لگا کہ مور کا پنکھ، دوست کی باتیں سناتا ہوا آ گیا۔ میں فوراً سمجھ گیا یہ میرے دوست کا خط ہوگا۔ لفافے کو پھاڑ کر چٹھی نکالی اور ایک ہی سانس میں پڑھ ڈالی۔ آپ کے پیارے خط کو میرے دوست ، ہمارے سب کنبہ نے پڑھ لیا۔ خط کو پڑھ کر معلوم ہوا کہ میرے دو محبت نامے ابھی تک آپ کو نہیں ملے ہیں۔ آپ کی تحریر جب دیکھی ۔ ایسا لگا کہ آسمان پر تارے نکل آئے ۔ تمہارے خلوص بھرے حرف کی پوری دنیا میں مثال ہی نہیں ملتی۔ یہ تیرے دُکھ بھرے الفاظ میرے دل کو اس طرح سے چیر لیتے ہیں جسطرح ایک آرہ لکڑی کو چیرتا ہے۔

آپ جیسے پیارے خلوص والے آج کہاں نظر آتے ہیں۔ آج وفا کی قلت ہوگئی ہے۔ پوری دنیا میں ہم گھومے لیکن آپ کے جیسا وفادار نہ ملا۔

ہماری خیر و خیریت پوچھنے والا کوئی نہیں ہے سب منہ موڑ رہے ہیں۔ لوگ افسروں کے آگے پیچھے گھومتے ہیں صرف فائدہ حاصل کرنے کیلئے۔

مجھ سے انکار کرنے والے۔ دیکھو پھر مجھ سے انکار نہ کرنا۔ لگتا ہے آج تم پہلے سے زیادہ نایاب ہوئے ہو۔ میرے دوست پہلے جو خط، میں نے آپ کو لکھا تھا وہ گوجری زبان میں تھا۔ گویا گوجری باتیں سنا کر کنکر مارے تھے۔ کچھ نہ کچھ جلدی جلدی تحریر کرو۔ ورنہ پھر پچھتانا پڑے گا۔ مجھے بتاؤ مور کے پنکھ کی خوبصورتی کو کون چھین سکا ہے۔ آپ کے حکم کے مطابق میں نے سرور کو اچھا کام کرنے کو کہا۔ کام تو مشکل ہے اور مشکل کام کرنا ہے۔ آپکے نام لکھا ہوا خط آدھا رہا اور اسے پورا نہ کرسکا۔ اوپر سے کچھ مشکلات کا فاصلہ آپڑا۔ اور اِس مشکل کام نے خط کو پورا نہ کرنے دِیا۔

بچوں کا دکھ سہنا، آسان نہیں ہے۔ یہ تو ایک زہر ہے۔
یہ دُکھ تو کالے سانپوں کی طرح پھنکاریں مارتا ہے اور لڑتا ہے
خط کا جواب جلدی سے لکھوں گا تاکہ انتظار باقی نہ رہے
کوئی اچھا سا موضوع لکھنا بن نہیں پڑا۔ اب میری سوچ بنجر ہوگئی ہے
میرا دوست منتظر ہوگا لیکن مجھ سے کوئی اچھا شعر نہیں موزون ہوگا
اگرچہ میں کوئی بڑا سخنور نہیں ہوں لیکن میں پھر بھی اشعار لکھتا رہوں گا
اگر آپ کو میرے بھیجے ہوئے مکتوب ملے ہوں تو بمہربانی جواب لکھئے گا
میں جو اشعار آپ کو بھیجا ہوں انکی نقل اپنے پاس بھی موجود رکھتا ہوں
میں آپ کو اپنے اصلی اشعار کی نقل روانہ کروں گا
آپ کو اے میرے یار۔ فضل کے اشعار کیوں اتنا دل کو بھاتے ہیں
پیر پنجال آپ کا اور میرا سانجھا علاقہ ہے۔ مجھے اس کے میدانوں

اور تن سر کے چراگاہوں کی یاد کر کے آتی ہے

وہاں سے اکثر گوری لڑکیاں اپنے ساتھیوں کے ساتھ گزرتی تھیں

مجھے اکثر وہ خوبصورت گجر لڑکیاں بار بار یاد آتی ہیں

آپ نے پیر پنچال کے وہ نظارے کس لئے ترک کئے تھے

اور اے بندے خدا اب کراچی میں سمندر کے کنارے بیٹھے رہو

میں اپنی دھرتی سے لپٹ جاؤں گا اور منگلا سر کو چھوڑ دوں گا

ممکن ہے کہ کھڑی راجوری کی مٹی پھر سے فضل کا گھر بن جائے

اے طاؤس آج ایک سچی بات بتانا! کیا آپ کو بانہال کی یاد نہیں آتی ہے

در اصل آپ کو گھر کی مرغی دال کے برابر نظر آتی ہے

☆

ان ہونی

نیل گگن کا دو سنگی دوہاں کی رہے آپت چنگی
چن تے پیر پنچال بھیال دوہاں کی تھی سانجھ سنجھیال
ویہ بھی دو تے ہم بھی دو
ویہ دوئے کُجھ سوچ رہیا من من سارا پوچ رہیا
ویہ اُچا اُچیت کے نال ہم گریا وا تلپاتال
ویہ بھی دو تے ہم بھی دو
پیر پنچال کو چن گرھنو میں تیں اُن کو کے کرنو
گھور اندھیرا ڈُنگھی کھات کد مُلنی شا کالی رات
اُت نہ تو تے اِت نہ تو
بچلڑی تے ویری ناگ پانی کی سُر چھیڑیں راگ
چڑھیئے چناں اُپر رجوری چل کے تکیئے چوری چوری
اُت کو ہو نہ اِت کو ہو
خبرے کے ناہونی ہوئی لُٹی کِس نے مھاری ڈھوئی
تیرو بھی تھو تخت طاؤس لگی مِناں تِناں ہُوس
چو نہ چو رَت اتھروں چو

ان ہونی

نیلے آکاش کے دوساتھی۔اور دونوں کی آپس میں بہت اچھی دوستی ہے
چاند اور پیر پنچال دونوں ایک دوسرے کے قریب تھے۔ اور دونوں گویا ب
بھرتی کی طرح تھے وہ بھی دو تھے اور ہم بھی دو تھے۔ وہ دونوں کچھ سوچ رہے
تھے اور دل ہی دل میں کچھ سوچ رہے تھے وہ اونچے رتبہ کے ساتھ تھے۔ اور
ہم، نیچے پاتال میں جا پہنچے وہ بھی روئے اور ہم بھی روئے

پیر پنچال کے چاند کو گرہن لگ گیا۔ لیکن ہمارا ان کے ساتھ کیا واسطہ وہ
گہری اندھیری کھائی کی میں پھنس گیا۔ اور یہ کالی رات کب ختم ہوگی۔ نہ
وہاں روشنی ہے اور نہ یہاں روشنی ہے

نالہ بچھلڑی اور ویری ناگ کے چشموں کا پانی۔ میٹھے اور سریلے گانے
گا رہے ہیں اے چاند! راجوری کے اوپر طلوع پر ہوکر چھپ چھپ کر ان
نظاروں کو دیکھ لینا نہ وہاں ٹھہرنا اور نہ یہاں

نہ معلوم کیا انہوئی ہوگئی اور ہماری کٹیا کس نے لوٹ لی اے طاؤس
آپ تخت کے مالک تھے۔ دراصل یہی لالچ مار گئی یا کسی کی بُری نظر لگ گئی ہر
ایک نے آنسوؤں نہیں روئے بلکہ خون رویا

☆

ع۔ کنج غربت میں یوں رہے طاؤس

طاؤس بانہالی
اپنے نجی خطوط کے آئینے میں[1]

[1] یہ مراسلات برادرم دلفگار برادر عزیز طاوس کے توسط سے فراہم ہوئے

C/218 بوھڑ بازار

راولپنڈی

۹/مئی ۱۹۵۳ء

چاچا حبیب

السلام علیکم

کتنے مزے کے آدمی ہیں آپ بھی ......ایک خط پُرزہ بھیجا اور اُس میں بھی شکوہ کہ بندہ نے خط نہ لکھا......بھئی عمر کے تقاضے پیشِ نظر آپ حق بجانب ہیں لیکن میرے حق میں بات کُچھ بیٹھتی نہیں۔ بورژوا طبقے سے میرے فرار کی وجہ سے بُزدلی نہیں بلکہ نفرت ہے جو میرے دل میں بورژوا ذہنیت کے خلاف کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے......لیکن دیکھا جائے تو قصور میرا ہے۔ چاچا حبیب جہاں تک میرا حافظہ کام دیتا ہے آپ اُن لوگوں میں سے نہیں۔ بڑا ہی مُروّنِ قسم کا آدمی ہوں۔ پُرانی یادیں مجھے بھولتی نہیں۔ آج سے تقریباً ساڑھے تیرہ سال پہلے کے واقعات اب بھی میری آنکھوں کے سامنے رقص کرتے ہیں۔ جب میں شاید پہلی جماعت میں پڑھتا تھا، آپ والد صاحب کو ڈھونڈنے آئے، شام کا وقت تھا وہ گھر پہ تھے نہیں۔ آپ واپس جانے لگے میں نے چھوڑا نہیں اور صحن

کے آخری کونے تک آپ سے لپٹا چلا آیا۔ آپ نے کندھے پر اُٹھا کر گھر کا رُخ کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب گھر میں سوائے آپ کے اسد اللہ اور نجم اللہ دونوں میں سے کوئی نہ تھا۔ پھوپھی حاجرہ پڑھ رہی تھیں اُنہوں نے مُجھ سے کچھ سوالات پوچھے جنکا میں نے تُتلی زبان میں جواب دیا۔ آپ نے مجھے ایک تصویر دکھائی کہ پڑھو گے تو اس کے ساتھ تمہاری شادی کرونگا یہ آپ کے گھر میں پہلا دن تھا اور اُس کے بعد مڈل کا امتحان دینے تک بھی میں اُسے اپنا ہی گھر سمجھتا تھا۔ حتیٰ کہ میں ہائی سکول میں داخل ہوا اور اسی اثناء میں گھر کا نقشہ بھی بدل چکا تھا۔ دُنیا بدلی تھی سادگی کی جگہ فیشن نے لی تھی لہٰذا میرا بدلنا بھی ایک فطرتی امر تھا۔ جب دُھنیں بدل گئیں، راگ بھی نہ رہی تو میرا لگاو بے معنی تھا۔ آج تو آپ نے چٹھی کا ایک چھوٹا سا پُرزہ لکھ کر میرے دل میں پھر وہی یادِ ایام کا تلاطُم برپا کیا یہ چٹھی آپ نے کیوں لکھی۔ ان میں خلوص کارفرما تھا کیا کچھ اور......اس سے بحث نہیں۔ بہر حال آپ کا خط ملا ہے اور میں جواب لکھنے بیٹھ گیا۔ احمد اللہ کے متعلق ابھی تک میری اطلاعات صرف اتنی ہیں کہ وہ سکول میں داخل ہوگئے ہیں۔ میں نے خود اُسے کئی دفعہ لکھ بھیجا کہ بھیّا اپنی کہو اور مفصل طور سے لیکن ہمیشہ اوٹ پٹانگ جوابات ملتے رہے۔ چاچا عزیز کے خطوط آئے لیکن بات نہ بنی۔ خیر میں ابھی سے کوشش کرتا ہوں۔ بی بی جان تو خیر ابھی اِن معاملات کو سمجھ نہ سکے گی۔ آپا بلو کو خط لکھ رہا ہوں اور سارے دِشا میں ہیں وہ ایک جو بات کی نوعیت کو سمجھ سکتی ہیں۔ بہر حال آپ کو دوسرے خط میں تفصیلی طور لکھوں گا۔ ایک اپنے متعلق تو بس آپ جانتے ہی ہیں ابھی تک اُسی راہ پہ گامزن رہنا چاہتا ہوں۔ جس کے متعلق

میرے تمام کرم فرما حضرات کو غلط فہمی ہے۔ سچ کہا ہے سعادت حسن منٹو نے ''یہ دُنیا یہ کچھ ایسی ہے لوگ اُسی چیز کے متعلق باتیں کرتے ہیں جسے وہ سمجھتے نہیں'' آج کی نشست برخواست......؟

پرچہ والد صاحب کو دید یجئے اور جتنی بھی گالیاں ملیں دوسرے پرچہ میں بھیجد یجئے۔ ''باقی سب ٹھیک ہے خدا حافظ پھر ملیں گے اگر خدا لایا''۔ گھر میں بڑوں کو سلام کہئے اور چھوٹوں کو پیار، خاص طور پر دادی اماں، پھوپھی خدیجہ اور اپنی دانا بیوی یعنی ہماری چاچی کو سلام کہئے۔

دُعا کا طالب

اجمل طاؤس

☆

راولپنڈی

جنوری ۱۹۵۹ء

برادرِ عزیز!

کبھی تمہارے خط سے ایک گونہ تسلی ہوتی تھی سو تم نے بھی خط لکھنا چھوڑ دیا۔ ابا جی تو خیر ناراض تھے لیکن تم کیوں روٹھ گئے۔ میں خط نہ لکھوں تو کوئی بات بھی ہے کہ میرا خط تمہیں مل نہیں سکا لیکن تمہارا خط تو مُجھ تک پہنچ سکتا ہے۔ یوں بھی میرے پاس سوائے خاموشی کے کچھ لکھنے کو نہیں لیکن تم میری ندامت سے قطعِ نظر اس کا جواب خامشی کی سزا سے دو تو کتنا بڑا ظُلم ہے۔ کہو اب بھی خط نہ لکھو گے۔

تمہارا خط ملنے پر شاید میں بھی اس قابل ہوسکوں کہ کچھ باتیں کروں۔ ورنہ بے زبانی کو میری زبان سمجھو...... تمہاری ڈیڑھ سال کی خامشی کی سزا کے علاوہ زمانے کی کئی سختیاں جھیل کر اب یوں بھی سخت جاں ہو گیا ہوں۔ پھر بھی کبھی کبھی ؎

کُنج غُربت میں یوں رہے طاؤس ڈھڑکنوں سے وطن کی بات چلی

یا

طاؤسہ خبر چانہِ کتھِ معنہ کرن کیاہ؟

خیر! اُمید ہے اگر میرا یہ خط تم تک پہنچ گیا تو بلا تحمّل جواب دو گے۔

والدین کے تیئں سلام اور بہنوں کو پیار

فقط تمہارا

طاؤس

راولپنڈی

۲۶ رستمبر ۱۹۵۵ء

ابا جان

آداب فرزندانہ......

آپ کے خط سے پہلے عزیزم غلام محمد کا خط مل چکا تھا جسکا جواب قدرے تاخیر کے ساتھ دیا گیا۔ وجہ وہی میری سُست اور پریشان طبیعت ہے اور کچھ نہیں اور یہ کوئی نئی بات نہیں۔ یہ بے نام سی پریشانی اور بے وجہ اضطراب جب سے ہے جب میں نے سکول کو چھوڑ کر راہ فرار اختیار کی۔ اِسے آپ دیوانگی کہیں۔ مُقدر کی گردش یا کچھ اور بہرحال یہ چکر اب بھی میرے پاؤں میں ہے اور نہ جانے کب تک رہے۔ شاید آپکی دُعائیں بھی اِسے ...... کیونکہ میں آپ لوگوں کے بارے میں خود بھی مطمئن نہیں۔ خود سے بیزاری کی وجہ یہ بھی ہے۔ اسی لئے عرض کر چکا ہوں کہ میری طرف سے خط میں تاخیر ہو تو آپ پریشان نہ ہوں۔ پھر بھی خط لکھا ہوتا لیکن اب تو آپ کو خط ملنا اور مُشکل ہو گیا ہے۔ بزاز جی کی معرفت خط لکھتا تھا سو وہ ذریعہ منقطع ہو گیا دیکھئے یہ خط بھی آپ تک پہنچتا ہے یا نہیں۔ ناز صاحب کے خطوط آتے ہی رہتے ہیں وہ اگلے سال واپس آئیں گے۔ رشید مظفر آباد میں بخیریت ہیں اور گُل محمد بھی راولپنڈی میں ہیں۔ احمد کا مدت سے کوئی خط نہیں آیا خدا جانے کیا بات ہے۔ میں تو کچھ سمجھ نہیں پاتا وہ آدمی ہے یا پائجامہ۔ ویسے بھی دو اڑھائی مہینے سے خیر پور کا مجھے کوئی علم نہیں۔ چاچا عزیز تو پہلے ہی

کاہل تھے۔ تبسم بلو اور اقبال کا بھی خط نہیں آرہا۔ میں نے اسلئے نہ لکھا کہ اصولاً اُنہیں لکھنا چاہیے تھا اور پھر کچھ اپنی طبیعت بھی اچھی نہیں رہتی۔

دُعا کیجئے میں انسان بن سکوں اور کوئی تمنّا نہیں۔ والدہ صاحبہ کی خدمت میں سلام اور غلام محمد کو معہ بہنوں کے پیار۔ نُجتو اُمید ہے اچھی ہوگی۔ زینب اور حاجرہ کا کیا حال ہے۔ عزیز ماموں کہاں ہیں اور کیا کررہے ہیں؟ خط فی الحال اُسی پتہ پر لکھیے۔

دعا کا طالب

طاؤس

بوھیڑ بازار راولپنڈی

☆

H/20 آریہ محلّہ

ماری روڈ

۲۴ر مارچ ۱۹۶۱ء

عزیزم!

شُکر اس بات کا ہے کہ نہ صرف آپ کا خط بلکہ میرا خط مع تصاویر کے آپکو ملا ہے۔ خدا کرے آپ لوگوں کو یونہی اپنے خطوط کے جواب محصول ہوا کریں۔ اب مجھے تمہارے امتحان کے نتیجے کا انتظار رہے گا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کالج تم اگلے برس جاؤ گے۔ جلدی کیجئے یہاں وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا۔

آپ لوگوں کا خط مجھے رشید کی موجودگی میں ہی ملا۔ اُنکی شادی اپریل کے پہلے پندرھواڑے میں ہو رہی ہے۔ ہاں برخوردار تمہارا وہ عتقیہ والا کیا معاملہ ہے۔ سُنو انگریزی شاعری کے رومانی دور کا ایک بڑا شاعر Hellry گذرا ہے جو کہہ گیا ہے۔

I persued a maiden and clasped a seed

Gods and men we are all deluded thus

It breaks in our bosom and then we bleed.

شیلے کے ان اشعار پر غور کرو اور ہمیں دیکھو۔ اگر تُم کتابی بلکہ افلاطونی عشق کے تحت آئیڈیل کی تلاشی میں ہو تو وہ فضول ہے۔ رہی شادی سو اُس کے

لئے نہ ابھی تمہاری عمر ہے اور نہ تم گھر والوں سے زیادہ عقلمند ہو۔ بہر حال یہ سب باتیں زندگی سے الگ ہوکر سوچی نہیں جاسکتی۔ لیکن پہلے زندگی کی پٹڑی پر چلنے کے قابل تو ہوسکو! یہ کوئی مشکل کام نہیں شادی کروانا ہمارا ذمّہ! اگر چہ ہم نے خود ساری عُمر شادی نہ کرنے کا عہد کیا ہے کیونکہ جوانی کے جنونی اور فضول جذبات ختم ہو چکے ہیں اور یہ بات بھی سمجھ میں آنے لگی ہے کہ Ideal تو درکنار عورت Intellect کی بڑی دُشمن ہے یہ تم ابھی سے کہاں اُلجھنے لگے ہو۔ ہاں! کچھ شرم کرو!۔

اچھا صاحب اور کہئے کیا حال ہیں آپ کے کلاس فیلوز کون کون ہیں جاننے والوں میں سے ایک تو وحید ہوگا سلیم اور؟ ہمارے ایک بُزرگ اُستاد ہوا کرتے تھے آپ کے سکول میں مولوی غلام احمد بنکوٹی وہ ہیں کیا؟ اور وہ ہیڈ ماسٹر احسن شاہد صاحب۔

ناز صاحب دو ماہ سے کوئی خط نہیں لکھ رہے اور نہ مجھے کوئی بات کرنے کا دماغ ہے۔ تبسم کے ایک خط سے پتہ چلا کہ کراچی گئے تھے کچھ دیر کے لئے اور اب پھر خیر پور میں ہیں شاید کچھ دنوں میں پنڈی آجائیں گے۔ ہاں خوب یاد آیا وہ احمد اللہ بٹ صاحب کہاں ہیں۔ اب بھی ہمارے متعلق اُنکا دِل صاف ہوا ہے یا نہیں۔ چاچا حبیب بہت یاد آگئے۔ اُنہیں میرا سلام کہنا۔

تمہارے خط کا انتظار رہے گا اور ہاں سُنو کچھ تصویریں نہیں بھجوا سکتے تم گھر گی۔

طاؤس

☆

۲۹ر جولائی ۱۹۶۱ء

برادرِ عزیز!

اب تمہارے خط کو دیکھ کر غصہ نہ آجائے جواب کے بدلے تو کیا ہو۔ میاں یہ بھی کوئی بات ہے۔ دو ماہ سے تُم نے اس لئے خط نہ لکھا کہ امتحان دیگر اب نتیجے کا فکر تھا۔ واہ مولوی! ارے نتیجہ تو آتا ہی رہتا ہے۔ بس کام کرو اور کئے جاؤ۔ مجھے پہلے تین مہینے سے کہیں آرام نہ مِلا۔ یونہی کچھ غمِ دوراں کچھ غمِ انساں والی بات۔ اصل میں صحت بالکل ٹھیک نہیں رہتی پھر اِس دُنیا میں رہ کر دُنیاداری کے تقاضے۔ تنگ آکر آخر فیصلہ کیا کہ نوکری کرلو، سو ملتے جُلنے یہیں پر خبروں کے محکمے میں جُت گئے یعنی بہ الفاظ دیگر یہ کہ اب یہاں سے ہلتے جلنے کا ارادہ نہیں ہے۔ خواہ یار احباب کتنا ہی بُلائیں ناز صاحب کے بارے میں ابھی تک مطمئن نہیں ہوں وہ ذاتی معاملات میں بے طرح اُلجھے ہیں اور اُدھر اُن کے کام کے دن نزدیک آرہے ہیں۔ بہرحال میں نے تو فیصلہ کرلیا ہے کہ اب کچھ دیر بیٹھ کر مکمل آرام کرلوں گا۔ تُم بھی کچھ نہیں بتارہے۔ گھر میں سلام اور بچوں کو پیار۔

تمہارا

طاؤس

☆

راولپنڈی

۲۶ رجون ۱۹۶۲ء

اب تُمھارے بارے میں سوچتے سوچتے تھک گیا ہوں اور تصویر سے بیٹھا پوچھ رہا ہوں کہ بیس بائیس برس کی عمر میں تُمھیں منجملہ دیگر باتوں کے گریجویشن کر لینی چاہیئے۔ جب تُم وقت سے ساتھ چل کر اپنی ذمہ داریاں پُوری کر سکتے ہو۔ نہیں تو ہماری طرح افسوس کرتے پھر گے۔ ورنہ عشق اور بچے ہم تو بھی پیدا کر سکتے تھے لیکن یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ انسان کو اپنی شخصیت کی تعمیر کے لئے پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے۔ جب کہیں وہ اس کارزار میں قدم رکھنے کے قابل ہوتا ہے جسے زِندگی، کہیں یہ طویل مُختصر سفر تو عجیب ہے بھائی۔ کہاں تک تُمھیں سمجھاؤں اتنی دور سے۔ ایک یہ بھی تو ستم ظریفی ہے کہ اپنا تجربہ انسان کے خود اپنے کام آتا نہیں اور دُوسرے اُس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں یوں بھی میں نصیحت کا قائل نہیں، انسان کا اپنا احساس ہے۔ ہاں کسی کا حال دیکھ کر تُم اپنا حال بہتر بنا سکو تو میں سمجھوں گا کہ میرے کہنے کا کُچھ نتیجہ نکلا اور سُناؤ کیا حال ہیں۔ دانتر اور آکھرن کی مٹی تو میرے بچپن میں رچی بسی خوشبو کی طرح گوندھی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ جب وہ گاؤں میرے لئے ننھیال سے قریب ہیں تو وہاں کے لوگوں کو کیسے بُھلا سکتا ہوں۔

رہے بابا دیدی اور بھائی لوگ۔سو وہ یوں بھی تُم لوگوں سے میرے زیادہ قریب رہتے تھے۔اب اُنہیں خط یا سلام لکھنے سے دِل کا بوجھ بھلا ہلکا ہوتا ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ دوری کا بوجھل خیال اور تیز ہو جاتا ہے۔خیر ہاں سوپٹ والوں کی سناؤ کوئی تُمہیں ملے تھے کیا عزیز بھائی، شمیم وغیرہ۔

تُم وہاں تو نہیں گئے تھے، آ کھرن والی رحمت کو میں رحتی یونہی پکارتا تھا اور جان آپا ہے اُن کی امی۔خریت سے ہیں کیا۔

دیکھو تصویریں بھیجدینا مگر آوارہ گردی سے ذرا جلدی فارغ ہو کر۔میں منتظر ہوں۔

فقط

طاؤس

☆

راولپنڈی

۲۶/جون ۱۹۶۲ء

چھوٹے میاں! سبحان اللہ! بھئی یقین ہی نہیں آتا یہ تُمہاری تصویر ہے، چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی ہیں۔ لمبے تڑنگے، بدن کسی پٹھان کا چہرہ ہندی لڑکی کا لگتا ہے، اور ہاں یہ حسین صاحب تمہارے کاندھے پہ ہاتھ رکھے ہوئے ہیں میاں وہ کہاں ہے جنکی تصویریں تُمہارے ساتھ دیکھنا چاہتا ہوں، مجھے تو اب شکل وصورت بھی یاد نہیں رہی بس اتنا یاد ہے کہ عتیقہ (تُمہاری اطلاع کے لئے 'عتیقہ' ت ہے ہے ط سے نہیں جیسا کہ تم لکھتے ہو۔ عتیق کے معنی ہیں ancient پر جیسے 'عہد قدیم' ancient age ہاں وہ ہم لوگوں کے گھر سے بھاگ کر چاچا عبداللہ والوں کے ہاں رہا کرتی تھی اکثر، یہ وہی تو نہیں رزاق کی تصویر بھی عجیب سی لگی، اصل میں قصور میرا اپنا ہے میں خود عجیب سا ہو گیا ہوں۔ جن لوگوں نے دس برس پہلے مجھے دیکھا تھا اب پہچان نہیں پائے۔ بیماریوں نے حُلیہ بگاڑ کر رکھ دیا ہے اور میں شُکر کرتا ہوں کہ "خوب شُد سامانِ خود بینی شکست" ننھے اب میں کِس کِس کو یاد کرتا اور کب تک سہتا یہی ایک علاج تھا کہ خود کو بھُول جاؤں۔ اور بھول بھی چُکا ہوں کسی حد تک۔ ہاں کبھی کبھی طاؤس، آخر دِل پر دستک دے ہی جاتا ہے یہ کہتے ہوئے۔

خود فراموش دِلوں سے نہ گئی تیری یاد
ایک عالم ہے خرابات میں تیرے آباد

اور سناوٗ! موسم کا کچھ سجھاوٗ؟

طاوٗسہ وٚولنکھ کٔمۍ پیچ وٕ خمنے دردہ رف نے تژاو
سونٛتک ترانے پوٚر عالمنے چھم کوسمٕنے کراو

☆

آریا محلّہ راولپنڈی

مارچ ۱۹۶۳ء

ابّا جان

آداب

آپ کا اور عزیزم غلام کا خط کئی روز ہوئے مل گیا تھا۔ غلام احمد کو تو اس لئے جواب نہ دیا کہ شاید امتحان کی تیاریوں میں مصروف ہوگا۔ اور آپ کو خط لکھتے ہوئے سوچ رہا ہوں، کہ آپ مُجھ سے اتنے دور تو نہیں کہ خط، کا رشتہ قائم کرنے کی ضرورت محسوس ہو۔ آپ کی دُعائیں میرے ساتھ ہیں۔

ہاں آپ کے قدموں کو میں چھُو نہیں سکتا اور یہ بات میرے بس کی بھی نہیں خدا جانے شاید اِس امتحاں میں بھی کوئی مصلحت پوشیدہ ہو۔ خیر یہ سب چکر تو چلتے ہی رہیں گے صرف آپ دُعا کرتے رہیے کہ آپ کا دیدار نصیب ہو! امّی کو آداب اور بچوں کو پیار۔

آپ کا دوسرا خط بھی مِلا اور پڑھنے کے بعد پھر وہی خاموشی جواب ٹھہری۔ ہاں بات عرض کروں کہ مِیر صاحب کی کیا مِنت کیجئے گا اگر وہ مان بھی جائیں۔ تو بھی حالات یونہی رہیں گے۔

اے صدف تشنہ بمہرو سوئے نیساں بنکر
بہر یک قطرۂ آبے شکمت بشگافند

زیب النساء

غلام محمد نے تصویر مانگی تھی اُسے کچھ دنوں میں خط کے ساتھ تصویر بھیجدونگا۔

دُعا کا طالب

طاؤس

☆

آریہ محلّہ۔مری روڈ راولپنڈی

۲۲/اپریل ۱۹۶۳ء

عزیزم!

تُمہارے خط کا جواب اسی لئے نہیں دیا مبادا تُمہارے امتحاں کی تیاری میں خلل نہ ہو! اس دوران والد صاحب کا خط بھی مِلا اور اب اُنہیں جواب دینے کے بجائے تُمہیں کو خط لکھنا پڑا (تو اُن کے نام لکھا ہوا خط بھی مِل گیا) عبارت تو بہرحال مُشترکہ ہے کہ میں بخریت ہوں اور جانے ابھی کہاں تک یونہی 'بخریت' رہنا ہوگا۔خیر! چودہ پندرس برس تو بیت ہی گئے اور اِس رواروی کے دور میں تو یہ عرصہ ایک پوری زندگی ہے اک عُمر چاہئے کہ گوارا ہوں......بہتر یہ ہے کہ مولوی حالی کی طرح وعظ خوانی سے میں باز ہی رہوں، اُسے آخر کیا مِلا تھا اچھے بھلے شاعر کو وعظ خواں بننے کے بعد بھی جس قوم کو وعظ کیا تھا اُس کا تو کچھ بھی نہیں بگاڑ سکا حالی بھی۔ہاں اپنی آواز کو نقار خانے سے کھو بیٹھا۔اور یہاں میری اُٹ پٹانگ باتوں کا تم خیال نہ کیا کرو۔جانے کیا کچھ کہہ جاتا ہوں حالانکہ تُم مُجھ سے عُمر میں چھوٹے ہو (لیکن مجھے یہ بھی خیال نہیں رہتا کہ تُم میرے مقابلے میں ذہنی طور پر بالغ ہو اور مجھے تُم سے یوں بچوں کی سی باتیں کرتے شرم آنی چاہئے) کہنا یہ تھا کہ ابا جان سے کہہ دینا اُنکا خط ملا اور تُم بھی فُرصت ہو تو کبھی کبھار خط لکھدیا کرو۔تصویریں تو تم بھیج چُکے اب کیا دُہرانا! لو اسی خوشی میں ہم تُمہیں ایک تازہ

تصویر بھیجد یتے ہیں جو ''بن باس'' بلکہ Self exile کا چودھواں سال ختم آنے اور پندرہویں سال کے شروع دِن اُتاری تھی ۔16 مارچ 1949ء کو، مابدولت سکول سے بھاگے تھے) امّی کو تم میری طرف سے کیا کہو گے سوائے اس کے کہ اُنکو رُلانے والا طاؤس اب رو دھو کر چُپ بیٹھا سوچ رہا ہے کہ اتنی بڑی سزا کیا میرے لئے لازمی تھی ۔ بہنوں کو پیار اور بُزرگوں کو آداب ۔

طاوس

☆

آریہ محلّہ۔ مری روڈ راولپنڈی

۱۰ر نومبر ۱۹۶۳ء

ابا جان!

آپ کا خط ملا لیکن مُجھے تو مہینوں سے عزیزم غلام محمد کے خط کا انتظار تھا۔ نہ اُس نے خط لکھا اور نہ میں اِس اُلجھن میں خط لکھ سکا۔ میں اُسے کوئی خط نہیں لکھوں گا لیکن۔ میری طرف سے اُسے صرف اتنا کہیئے کہ مولوی طاؤس علی خان دس بارہ برس کی آوارہ گردی کے بعد اب تیس برس کی عُمر میں کالج میں داخل ہوا ہے (بی اے سال اول میں) اور اُسے اپنی آوارہ گردی کا کوئی افسوس نہیں اسلیئے کہ افسوس سے کُچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اور ابھی دس بارہ برس کا رونا تھا۔ بعد میں زِندگی بھر کا رونا ہوتا اور دس برس بعد۔۔ اب جب میں اتنے پیسے کما سکتا ہوں کہ ایک فیشن ایبل اور یہاں کے سب سے پُرانے کالج میں ٹھاٹھ باٹھ سے جاسکوں تو مجھے اتنی خوشی محسوس ہوتی ہے کہ پُرانی تمام کُلفتیں بھول جاتا ہوں۔ اور پھر طالب علم ہونے کا احساس۔۔ اپنی عُمر سے نسبتاً کم لڑکوں کے ساتھ چلنا۔ یہ سب باتیں ایک انوکھا تجربہ معلوم ہوتی ہیں یہ تو تھا بھائی صاحب کے نام پیغام۔ اب آپ سے پھر وہی معافی اور معذرت کی طلبگاری کہ میں آپ کو خط لکھتے ہوئے کچھ نادِم سا ہونے لگتا ہوں لیکن اس کے باوجود یہ غرور اپنی جگہ

قائم ہے کہ آپ کو مُجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوسکتی--- ہاں عبدالسلام یا تو صاحب وہی لیڈری کو روزگار بنا کر جی رہے ہیں بُرے حالوں اور ناز صاحب دوبارہ انگلینڈ جاچکے ہیں اسی لئے آجکل میں بُزرگوں کی 'عنایات' سے قدرے محفوظ ہوں صحت بھی پہلے کی نسبت اچھی ہے۔ اور کیا لکھوں چاچا حبیب کو سلام کہیئے ۔ احمد اللہ کہاں ہے آجکل ؟ میر صاحب کا کیا حال ہے اب ۔ ایوب صاحب کے بارے میں تو مجھے ایسے سلوک کی امید نہیں۔

ایڈریس آپ نے غلط لکھا تھا اس لئے آپکا خط مُشکل سے ملا۔ پتہ یہ ہے معرفت H/20۔ آریہ محلّہ مری روڈ۔ راولپنڈی۔

دعا کا طالب

طاوس

☆

آریہ محلہ راولپنڈی

۱۳ر فروری ۱۹۶۵ء

اے بھائی!

ایسی بھی کیا خاموشی

میں اب کچھ اور مطالبہ نہیں کرتا لیکن اپنی خیریت کے بارے میں تو کبھی کبھی اطلاع دیا کرو۔ اتنا تو مجھے حق ہونا چاہیئے۔

میری خیریت تو تمہیں روز (صبح تمہارے وقت کے مطابق آٹھ بیس یا پھر شام سات دس پر) آواز سے مِل ہی جاتی ہے۔

خُدا کے لئے خط لکھا کرو یہاں میرے جواب کا انتظار کے بغیر پھر تو کاروباری بات ہوئی کہ میں خط لکھوں تو جواب آئے یہ خط تو نہ ہوا ایک طرح کا جواب ہوا۔

فقط احقر

طاؤس

۱۳ر فروری ۱۹۶۵ء

☆

C/218 بوھڑ بازار۔ راولپنڈی

23 جولائی 1952ء

ابّا جان

آدابِ فرزندانہ!

یکے بعد دیگرے دو والا نامے موصول ہوئے۔ میں نے بہت کوشش کی کہ خاموش رہ سکوں لیکن آپ کے اضطراب یا یوں کہئیے شفقت پدری نے میری خاموشی کا سلسلہ توڑ ہی دیا۔ لکھنے کو تو بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے لیکن کیا خاموش رہ کر آپ نہ سمجھیں گے؟ میں جانتا ہوں آپ سمجھ جائیں گے بشرطیکہ آپ غلط نہج پر سمجھنا ترک کر دیں۔

والد صاحب آہ وفغاں برحق لیکن کیا کیا جائے۔ یہ چرچے آج کی مظلوم دُنیا میں عام ہیں بلکہ سُن سُن کر دُنیا کے بھی کان پک گئے ہیں اب تو تنگ آ کر انسان کو اِن روز مرّہ کے تکالیف پر سوچنا ہی ترک کرنا پڑتا ہے ورنہ پاگل ہو جائے گا۔ یہ مشیّت اِیزدی ہے یا کُچھ اور۔ بہر حال اس سے سروکار نہیں مجھے دُکھ ہے ایک بات کا کہ آپ کی صحت خراب ہوتی جا رہی ہے۔ سوچ کی گہرائی آپ کو اِس قابل رہنے نہیں دیتی کہ آپ وہ بوجھ سنبھال سکیں، اُن فرائض کو سہہ سکیں جن سے آپ دوچار ہیں۔ آپ کے خطوط اس بات کے شاہد ہیں۔ میں بہت سخت دِل بن گیا تھا لیکن ان خطوط نے مجھے بھی مجبور کیا کہ رات کو خوابوں میں بھی غم کے بار تلے دبا رہوں۔ آج چار سال کے بعد یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میرا

دماغ بھٹک رہا ہو۔ اور وجہ سوائے اس کے کوئی نہیں کہ آپ حد سے زیادہ مایوس ہو چکے ہیں۔ آپ کی صحت جواب دے چکی ہے۔ جسمیں جسمانی بیماریوں سے زیادہ دخل آپ کی لا حاصل ذہنی پریشانیوں کا ہے۔ میری آنکھوں تلے اندھیرا چھا جاتا ہے جب آپ کا خط پڑھ کر آپ کی بصارت کا خیال آجاتا ہے۔ اِس کی بھی سب سے بڑی وجہ وہ اُنسوں ہیں جو آپ طعنوں سے بچنے کے لئے چھُپ چھُپ کر بہاتے ہیں اور جو بہہ نہ سکے وہ جم کر آپ کی آنکھوں کے پردے بن گئے۔ قصور سب میرا ہے۔ یہ سب کُچھ میری وجہ سے ہوا میں نے آپ کے ارمانوں کا خون کیا۔ مجھے مرجانا چاہئے تھا۔ لیکن نہیں میرے مرنے سے آپ کے زخم بھر آنے کے نہیں نہ یہ گھاؤ اس طرح مُندمِل ہو سکتے ہیں۔ میں زندہ رہ کر ہی شاید اِنہیں مُندمِل سکوں اور یہ ضرور ہوگا۔ مجھے اُمید ہے میں ایسا کرنے میں کامیاب ہو جاؤنگا۔ لیکن ایک صورت ہے کہ تم دُعا کرتے رہو۔

دعا کا طالب

طاوس

☆

راولپنڈی

۵؍دسمبر ۱۹۴۶ء

بخدمت جناب بھائی صاحب قبلہ

گذارش یہ ہے کہ اِس خاکسار نے اور میری بیوی نے جو آپ کی بھابی ہوتی ہیں، آپکو اپنی شادی ہر چوتھے روز یعنی ۱۸؍اکتوبر کو طویل خطوط لکھے تھے اور ایک تصویر بھی بھیجی تھی مُدعا یہ تھا کہ آپ وہ خط والدین تک بھی پہچائیں گے لیکن یوں محسوس ہوتا ہے کہ شاید ایسا نہیں ہوسکا۔

بہر حال ہم آپ سے کُچھ کہہ تو نہیں سکتے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ آپ مفصل خط لکھیں لیکن اتنا کرم ہم پر ضرور کریں بواپسی اُس خط پر پہنچنے کی رسید سے مطلع فرمائیں عین نوازش ہوگی۔

فقط

نیازمند

طاؤس

☆

H/20 آریہ محلّہ۔شاہراہِ پہلوی۔راولپنڈی

گاما پہلوان جی!

وعلیکم السلام

خط تو ہمیں ارشادؔ ہی لکھے گی کیونکہ ایک بچی کی ماں بننے کے بعد کُچھ اور بھی بُزرگ ہوگئی ہے۔ مُجھے تو ان دونوں ماں بیٹیوں کی تیمارداری کرنے سے ڈر لگتا ہے۔ ابّا جان کی طبیعت کے ناساز رہنے کی خبر میرے لئے پریشان کُن تو ہے لیکن میں اُنہیں یہ بھی تو نہیں کہہ سکتا کہ اب آپ آل اولاد اور دُنیا و جہاں کے غم کو چھوڑ کر گھر میں بیٹھ کر مکمل آرام کریں۔ اُنکی خیریت سے متواتر مُطلع کرتے رہا کریں۔ عتیقہ کے خط کا انتظار ہی رہا۔ ستارہ کو میں اب بھی اپنی تصویریں نہیں بھیج سکا۔ کوشش کرونگا کہ آئندہ خط میں، جو علی کے خط کا جواب ہوگیا، تصویریں بھیج سکوں۔ راشدہ کی تصویر ملاحظ کی آپ نے؟ اب اُسکی امّی سے بات کرو ہمیں تو امّی اِن دنوں بہت ہی یاد آرہی ہیں۔

برادرم سیف اللہ کان کا ایک پوسٹ کارڈ رام بن سے ملا تھا۔ بڑی خوشی ہوئی کہ وہ پانچ بچوں اور کچھ بیویوں کے مالکِ کُل ہیں۔ وہ ہمارے مولوی بھائی ثناءاللہ صاحب کس حال میں ہیں اور بلّو کے لوفر بازی کہاں تک پہنچی؟ لو اب میں

کِس کس کو دیا کروں ؎

کتنے نستعلیق

کتنے خوبصورت

تھے وہ لوگ

تُمھارے سُسرال والوں کا کیا حال ہے؟ زینہال، عشر، آکھرن، دانتر، ونپورا اور ژاچھہال کا کون سا پتھر اور درخت ہے جو نظروں میں نہیں تیرتا۔

جو بانہال سے لائی وہ کون ''سیتا'' تھی

ہے کون شہر جواب اپنا ''رام بن'' ہوگا

مزید یہ کہ آپکی بھابی کی طبیعت مستقل ناساز رہتی ہے اور میں چائے کی پیالوں کی دُھن پر گاتا رہتا ہوں:

زندگی کا ساز بھی کیا ساز ہے

اور با آواز ہے

بس یار کُچھ نہیں وہ عتیقہ کی بچی بھی تو ایک خط لکھ کر رہ گئی اور؟ غزالہ سے لیکر مشتاق اینڈ کمپنی تک سب لوگ خیریت سے ہیں نا؟ گل کا کھ (کے بچوں کی صحیح تعداد کیا ہے) امی ابا بہنیں اور دوسرے بھائی لوگوں کو سلام و دُعا۔

طاوس

۲۴/اکتوبر ۱۹۶۸ء

☆

C/o H/20 آریا محلّہ راولپنڈی

عزیزم!

مہینوں سے آپ لوگوں کے خط کا انتظار ہے (اور آپ لوگ شاید ہمارے خطوط کی راہ دیکھ رہے ہونگے) طے یہ ہوا تھا کہ آپ ہمارے خط کا انتظار کئے بغیر ہمیں ہر ہفتے خط لکھا کریں گے (اسلئے کہ خطوط کے سہارے کی ضرورت ہم لوگوں کو ہے، آپکے لئے تو اپنا گھر، عزیز واقارب، اور اپنی دھرتی سبھی کُچھ موجود ہے۔ پھر آپ میری آواز تک سُن سکتے ہیں۔ علی محمد اور اسد کے خطوط بھی ملے تھے لیکن تصویریں میرے پاس کوئی بھی نہیں ہیں اسلئے اُنکو خط نہ لکھ پایا۔ رہا آپکا مُطالبہ، سو شادی کی تصویر تو مِل گئی تھی اب جون جولائی تک صبر کئے بیٹھے رہیں تا کہ زچہ و بچہ، دونوں کی تصویریں آپکو بھیجدی جائیں۔

طاوس

☆

برادرم

السلام علیکم

خط نہ لکھنے کا سبب ایک تو میرا اعصابی مرض (Neurosis) کا ہے لیکن اِس سے بھی بڑا سبب وہی بچوں والا ہے (گاونہ دِوان تہ ووژھ نہ چھواں) مزید یہ کہ عاقلس اِشارہ۔ بہر حال اللہ کا شکر ہے کہ زندہ ہیں۔ بہنوں کا کیا حال ہے اور عتیقہ کیسی ہے۔

طاؤس

☆

جانِ برادر!

اب اس عذر پر بھی ندامت ہوتی ہے کہ خط کیوں نہیں لکھتے۔ شاید صبر کرنا اور خاموش رہنا بھی کئی دُکھوں کا علاج ہوسکتا ہے اور پھر بقول سعدی عیب و ہُنر بھی چھُپے رہتے ہیں۔ ہُنر کا حال تو یہ ہے کہ چلے تھے لکھنے لکھانے اور فنِ تحریر سے اپنا لوہا منوانے اور انجام یہ کہ خط بھی نہیں لکھ پاتے۔ اِس ہُنر کے بعد عیب ہی عیب ہیں۔ 56 سال کی عُمر میں بھی ایک آدمی نہ صرف بے خانماں ہو بلکہ بیوی بچے بھی اُس سے اچھی قسمت لے کر آئے ہوں تو کیا کیا جاسکتا ہے۔ اب ڈھائی تین برس ہونے کو آئے ہیں ک بیوی بچے مُجھ سے تنگ آکر مُقدر آزمانے کراچی گئے تھے۔ سال ڈیڑھ سال کے عذابوں کے بعد راشدہ رسول کو اپنی پسند کی یونیورسٹی میں داخلہ بھی مل گیا ایم بی بی ایس میں لیکن مقدر کی بات کہ وہ یکے بعد دیگرے دو عجیب و غریب بیماریوں میں مُبتلاً ہوگئی۔ اب کُچھ سنبھل رہی ہے مگر پڑھائی جاری رکھنا مُشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن دِکھائی دیتا ہے۔ سارہ رسول O level (میٹرک) میں ہے۔ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ سو غزالہ بیٹی بیٹی والی ہوگئی؟ مُبارک ہو ہم بھی نانا جان کہلوائیں گے۔ اب تو عتیقہ بانو کی بزرگی میں آپ کو شک نہیں ہونا چاہئے اور صاحبزادے، کس حال میں ہیں؟ بہنوں اور بھانجیوں

کے احوال؟ مجھے کُچھ یوں محسوس ہو رہا ہے کہ سال ڈیڑھ سال کے بعد بشرطِ ریٹائیرمینٹ، مُلاقات کی کوئی صورت نکل آئے گی۔ بس ایک بار اُن پتھروں (نلّہ پل) اور ٹیلوں (کرم دور) کو دیکھنے کی ہوس ہے۔ نظر کا یہ عالم کہ دو قدم پر انسان کو پہچان نہیں سکتا اور حواس تو خیر پہلے ہی باختہ تھے جو حشر میں نے اپنا کیا ہے، کوئی کیا کرے گا۔ اور ذرا سی بھول پر کسی نے خوب کہا تھا ؎

دِلوں کی اُلجھنیں بڑھتی رہیں گی   اگر مشورے باہم نہ ہوں گی

محبت کرنے والے کم نہ ہوں گے

(حفیظ ہُشیار پوری)

اچھا اب آپ میرے خط کا انتظار کئے بغیر کبھی کبھار خط لکھ ہی لیا کریں۔ عتیقہ تو بھول ہی گئیں۔ گڑیا کا ایک خط ملا تھا ہاں اُن کی بچی کے بارے میں کسی صاحب سے پوچھا تھا وہ کہنے لگے کہ بھئی 19 ستمبر کا تاریخی عدد 2 بنتا ہے اور دو کا موافق عدد ہے 7 لہٰذا نام کے اعداد کا مجموعہ بھی 7 ہونا چاہیئے مثلاً پروین (پ ر وی ن 2+2+6+1+5=16۔ 6+1=7 وغیرہ وغیرہ لیکن یہ آپ کس چکر میں پڑے۔ ویسے عُرفیت میں پروین کہہ کر پُکارنے میں کوئی عیب بھی نہیں۔ 22 اگست تا 22 ستمبر کے دوران پیدا ہوانے والے بچوں کا برج ہے سُنبلہ، سیارہ عطارا اور اور نام کا پہلا پ یا ب ہونا چاہیئے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ پرویز میاں کو پیار۔ یہ رحمت اللہ خان صاحب، کندور والے خان تو نہیں ہیں قلندر خان وغیرہ جو تھے یہ خط میں اپنے ایک پیارے ساتھی حکیم محمد امین صاحب کے ہاتھ بھیج رہا ہوں جو اپنے گھر والوں سے ملنے سرینگر آرہے ہیں۔ اُنکا ایڈریس یہ

ہے۔

13 Hakeem Manzil
Mohalla Akhun Sahib,
Gojawara Sringar

کسی کی یاد جو غُربت میں آئی ہے طاؤسؔ
فریب دِل کو دئے ہیں غمِ وطن ہوگا

طاؤس

☆

A-1/402 Hina Palace

Hoshang Road Civil lines, Karachi

کراچی

۲۳ / مارچ ۱۹۹۴ء

برادرِ عزیز!

دُعا وسلام کے بعد واضح ہو کہ برسوں کی خاموشی کے بعد اب یہ حتمی اطلاع دینا کچھ رسمی سا لگتا ہے کہ میں بیماریوں اور گھریلو پریشانیوں کے گھیراؤ میں ملازمت سے سُبکدوش ہوا تو زندگی کے باقی دِن گزارنے کے لئے کراچی آنا پڑا۔ پچھلے چھ سات مہینوں سے کراچی میں بچوں کے ساتھ مقیم ہوں اور اب جبکہ بینائی کی بے وفائی سے پڑھنا لکھنا چھوٹ چُکا ہے، کمرے میں تنہا لیٹے لیٹے صرف آپ لوگوں سے محوِ خیال رہتا ہوں۔ گویا تین چار سال کی عمر سے تیرہ چودہ سال کی عمر تک لڑکپن کے یہی دس سال ساری زندگی کی اثاث ہیں۔ میری دونوں بیٹیاں نوکری کرتی ہیں۔ اُن کی ماں گھر سنبھالیتی ہے اور میں آرام سے بیٹھا خدا کا شُکر ادا کرتا ہوں کہ زندگی آرام سے گزر رہی ہے لیکن سکون وغیرہ ایک ایسی شے ہے جو شاید ہم لوگوں کو کبھی نہیں مل سکتی۔ ایک خواہش تھی کہ کبھی فرصت

سے بیٹھ کر کچھ لکھنے پڑھنے کا کام کریں گے لیکن آنکھوں کی طوطا چشمی نے کُچھ کرنے نہیں دیا۔ (بڑی مشکل سے للہ عارفہ کے واکھوں کا ترجمہ جیسا تیسا البتہ کرڈالا۔ ابھی پچھلے دنوں Voice of Amarica کی اُردو سروس سے ''ادب اور ادیب'' پروگرام میں دوبار اس سلسلے میں اظہار کاظمی سے میری گفتگو بھی ہوئی تھی۔ کتاب جب چھپ کے آئے گی تو کوشش کروں گا کہ آپ لوگوں تک بھی کسی طرح پہنچ جائے۔ ''رِشی نامہ'' تو آپ تک پہنچ گیا تھا اور لوک کہانیاں؟ بس یہی ہماری میراث ہے۔ میرے خط نہ لکھنے کی وجوہ تو ظاہر ہیں لیکن اگر ہو سکے تو آپ ایک تفصیلی خط کراچی کے پتے پر ضرور لکھنا۔ اب یہی فلیٹ ہمارے بچوں کا گھر ہے جو اُنہوں نے پچھلے سال چھ لاکھ روپے میں خریدا ہے۔ یہ چوتھی منزل پر واقع ہے اور میرے لئے اب سیڑھیاں چڑھنا ''کونسرن کوٹھر'' یا ترامن پرہ'' چڑھنے سے زیادہ مُشکل ہے۔ ہر چند کہ اب یہ خواہش حسرت میں بدل رہی ہے کہ کبھی آپ لوگوں کے درشن بھی ہوں گے لیکن پھر بھی اکسیویں صدی سے پہلے پہلے شاید کوئی معجزہ ہو جائے۔ خانہ پورہ سے پھُہر وگن، ونہ پور اور کوسکوٹ تک سبھی کنبوں کے بارے میں بتانا اور بچوں کی تصویریں بھی بھیجنا جو بھی بہنوں اور دوسرے Cousin hood کے دائرے میں آتے ہیں۔ میں خط لکھ تو رہا ہوں لیکن اپنی ہی تحریر کو دوبارہ پڑھنا بہت دقت طلب بن جاتا ہے اور آنکھوں پر بہت بوجھ پڑ رہا ہے۔ اسلئے بوجھل آنکھوں اور درد والے دِل کے ساتھ خدا حافظ۔ ایڈریس اوپر لکھ دیا ہے۔

طاؤس (بانہالی)

۲۰؍فروری ۱۹۹۷ء

A-1/402 Hina Palace

Hoshang Road Civil lines, Karachi

برادر عزیزم غلام محمد خان صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

برسوں بیتے آپ لوگوں سے نامہ و پیام کا سلسلہ منقطع ہے۔ میرے ایک کرم فرما حج کو گئے ہیں اور اُن کے برخوردار وہاں ریاض کے فوجی ہسپتال میں ڈاکٹر ہیں۔ سوچا کہ آپ کو اُن کی معرفت خط لکھنے کو کہدوں کوئی چار سال پہلے میں طویل علالت کے بعد ملازمت سے سبکدوش ہوا اور اب کراچی میں اپنی بیٹی سارہ کے ساتھ رہتا ہوں جو اپنی والدہ کے ساتھ برسوں سے یہاں مُقیم ہیں۔ میں مُسلسل علالت کی وجہ سے اب تقریباً چلنے پھرنے سے معذور ہو کر رہ گیا ہوں۔ سانس کے علاوہ سب سے زیادہ دقت بینائی کم ہونے کے سبب سے ہے۔ ظاہر ہے جب چلنا پھرنا اور پڑھنا لکھنا موقوف ہو جائے تو خواہ مخواہ انسان اندیشہ ہائے دور دراز میں مُبتلا ہو جاتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ ایک مُفصل خط لکھ کر مُجھ کو اپنے اور دونوں بہنوں کے احوال سے مطلع کریں تا کہ دِل کو ایک

گونہ اطمینان حاصل ہو۔ میں نے دو تین خطوط آپ کے ارسال تو کئے تھے لیکن آپکی طرف سے مجھ کو کوئی خط نہ مِلا ویسے تو ہندوستان کے شہروں سے پاکستان ڈاک آتی رہتی ہے۔ دہلی یا امرتسر سے بھی کوئی آدمی اس پتے پر خط لکھ سکتا ہے۔

Rasul Taus C/o Flat No: A-1/402 Hina Palace

Hoshang Road Civil lines, Karachi

☆

کراچی

۵رفروری ۱۹۹۷ء

A-1/402 Hina Palace

Hoshang Road Civil lines, Karachi

عزیزم عبدالاحد ملک

السلام علیکم

آپ نے نومبر ۱۹۹۶ء میں جو خط میرے اسلام آباد کے ایڈریس پر لکھا تھا۔ شُکر ہے وہ مختلف مرحلوں سے آخر کار ۲۸ ردسمبر کو کراچی پہنچ گیا جہاں میں اپنی بیٹی کے فلیٹ میں اُسکی والدہ کے ساتھ زندگی کے آخری دِن گُزار رہا ہوں۔ خیر یہ داستان بعد میں۔ پہلے اِس بات کی اطلاع کہ ضلع ہزارہ کے دونوں دکانداروں کی معرفت میں نے آپ کے فرزند محمد شفیع ملک کے نام 'ملفوف' انداز سے آپکا پیغام پہنچایا لیکن تا حال مُجھ کو اُن کی طرف سے کوئی جوابی خط نہیں ملا۔ دریں اثناء آپ کو یہ سطور لکھ کر اپنے لڑکپن کی تجدید کر رہا ہوں۔ حبیب چچا اور عائشہ دیدی میرے لئے محبت کرنے والے مثالی ماں باپ تھے اور آپ کے والد یا عبدالخالق جو اُن دنوں محمد خلیل کہلواتے تھے آج بھی میرے دِل میں ہیں۔ جانہ آپا تو خیر میری بلکہ ہم سب کی جان تھیں (بشمول شیامہ بھٹہ جسے شکایت تھی کہ جس روز بڑا

گوشت پکتا ہو کیا اُس دن جانہ آپہ ہم دونوں کو اکٹھے کھانا نہیں کھِلا سکتی ؟)

یادوں کے اس تمام سرمائے کو سینے سے لگائے ایک مہینے سے دِل ہی دِل میں آپ کا تصور کرتا رہتا ہوں کہ آپ اپنے بیٹے کے لئے کس قدر پریشاں ہوں گے ۔ میں آپ سے صرف ایک بات کہنا چاہوں گا کہ عزیزم اپنے گاؤں میں اپنے بال بچوں کے ساتھ حسبِ معمول کاروبارِ حیات میں مشغول رہئے اور خدا پر بھروسہ کر کے اندیشہ ہائے دور و دراز کو دِل میں جگہ نہ دیجئے ۔ عزیزی محمد شفیع کو اپنی دُعاؤں میں یاد رکھئے کہ دِہلی والے حضرت میر درد نے ہمارے جیسے حالات کی معروضیت کے پیش نظر کہا تھا ۔

جو کُچھ خدا دِکھائے وہ ناچار دیکھنا

موجودہ زلزلہ آ گیں صورتِ حال ہی کچھ ایسی ہے کہ انسان اپنی جگہ بیٹھا رہے اور اللہ سے کسی بہتری کی اُمید رکھی جائے ۔ میرا اپنا یہ حال ہے کہ برسوں سے کئی تکلیف دہ بیماریوں میں مُبتلا ہوں ۔ ایک آنکھ میں معمولی سی روشنی باقی رہ گئی ہے جس کے سہارے بڑی مُشکل سے خط وغیرہ پڑھ لیتا ہوں ۔ باقی لکھنا پڑھنا دو تین سال سے موقوف ہے چلنا پھرنا ویسے ہی مُشکل تھا لیکن بہر حال جب تک دم ہے زندہ رہیں گے ۔ ساری زندگی خوش فہمیوں میں سہی لیکن کٹ ہی گئی اب کُچھ دِنوں کی بات ہے ۔ آپ لوگ تو دُنیاوی کامیابیوں کے ساتھ ساتھ حور و غلمان والی جنت کا ساماں کرنے میں بھی مصروف ہیں لیکن میرا حال اس معاملے میں بھی ہمیشہ مرزا غالبؔ جیسا رہا ہے ۔ دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے ۔ للہ دیدیا کسی نے کہا تھا؟

"جنتکہِ مارِ متہِ دوزِ جنہِ بھیے   دَیہِ چھی کران عبادت"

(خیر یہ تو ایک جُملۂ معترضہ تھا۔ اور یہ صوفیوں والا رویہ بھی مجھے آپ کے دادا جان سے مِلا ہے۔ آپ کے والد بھی کُچھ کُچھ تصوف سے شوق فرماتے تھے احد زرگر کی شاعری سے پھر وہ بچوں کی طرف چل نکلے) ایک خواہش تھی کہ کبھی آکھرن بلکہ اِسلام آباد سے بانہال تک اُن سارے مقامات کو مرنے سے پہلے ایک بار دیکھ سکوں لیکن شاید یہ حسرت بھی پوری نہ ہو۔ چلئے آپ جیسے عزیزوں کی بدولت سعودی عرب والے برخوردار کی معرفت خط و کتابت ہی سہی۔ بانہال والوں کا بھی احوال لکھئے۔ ایک ہماری چھوٹی بہن ہوتی تھیں ستارہ اُن کے کنبے کا کچھ احوال معلوم ہو تو۔ عبدالخالق اور علی کا کا کی آل و اولاد سمیت سب کو دُعا سلام۔ آکھرن میں پیر شمس الدین اور پیر بہادر شاہ ہوتے تھے اگر بقیدِ حیات ہیں تو اُن کو میرا سلام کہئے گا۔

دُعا گو

طاؤس بانہالی

☆

مسٹر اینڈ مسز خان!

السلام علیکم

یعنی اے میرے مالِنیو ۔عزیزہ ارشاد جے بٹ کی نوازش سے خطوط اور تصاویر سے بھرا لفافہ آج ۱۰ اپریل ۱۹۹۷ء کو ملا اور مدتوں بعد خوشی کے آنسو نصیب ہوئے۔ (دُکھ میں رونا کبھی نہیں سیکھا) بچوں کی تصویریں دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ شعوری طور پر مُہذب دِکھائی دیتے ہیں۔آپ دونوں اِس شعوری تربیت کے لئے بہت بڑے انعام کے حقدار ہیں۔انشاء اللہ اگلے خط میں اپنی تصویریں بھیج کر آپ کو شاد کروں گا (یہ ''شادؔ'' کبھی میری بیوی ہوتی تھیں اب وہ عائشہ کہلوانا پسند کرتی ہیں۔ بڑی Grand لیڈی ہیں مگر حساسیت اور صدموں سے چور ہوکر اب اعصابی امراض کا شکار ہیں) چھوٹی بیٹی سارہ کی شادی ہوگئی اور وہ ہمارے ساتھ ہی رہتی ہے فلیٹ میں لیکن بڑی بیٹی کے سر میں یورپ کا ایسا سودا سمایا کہ وہ آخر کار پچھلے سال سے کہیں لندن میں ہاتھ پاؤں مار رہی ہے۔ انگریزی زبان کی coritor بن کر زندہ رہنے کے ارادے سے۔راشدہ رسول کی جدائی سے مسز عائشہ رسول اور بھی زیادہ نڈھال ہوگئی ہیں...... ہاں یاد آیا نیو یارک سے فون پر ارشاد نے آپکی کسی بیٹی کے رشتے کے سلسلے میں تذکرہ کیا تھا جو مجھ کو اب کُچھ اُلجھا اُلجھا سا محسوس ہو رہا ہے۔ میں یہ خط آپ کو سعودی عرب

میں ایک دوست کے توسط سے بھیج رہا ہوں جنکا بیٹا وہاں ریاض میں ڈاکٹر ہے
آپ اس خط کو جواب اُس ایڈریس پر بھیجد یجئے یعنی

Rasul Taus C/o
Dr. Adeeb ilyas Military Hopital
Riyadh.11159 No:107
P/o Box 7897. Riyadh. Saudi Arabia

ایک اور ایڈریس مدینہ منورہ کا بھی نوٹ کرلیں آ کھرن والے عبدالاحد
ملک کے بیٹے کا

Zahoor Ahmad Malik
Student of Madina University
P/o Box No 10085 Madina'
Kingdom of Saudi Arabia

کاش میں اِن پیارے بھانجیوں بھتیجیوں کے جُھرمٹ میں ہوتا تو انکو سمجھاتا کہ اے نادان بچو تم انتشار سے محفوظ رہنے کے لئے باہم جیون ساتھی بننے کی کیوں نہیں سوچتے ہو؟ میں تو ہواؤں میں مُعلق رہا یعنی برباد لیکن احد خان Dictator کا کنبہ جمہوری مزاج کے ساتھ اکٹھا رہے تو شاید میری روح کو ابدی سکون مِل جائے۔ تین پیاری تصویریں یعنی نیلوفر، خان کیسر گل، شفقت میرے لئے (زرنگار اور غزالہ) نام کے ساتھ ساتھ 'کرام' کا بھی تقاضہ کرتی ہیں۔ بخت آپا اور ستارہ دیوی کے بچوں کے نام نہ جانے کیا یاد دلاتے ہیں جیسے کامبر واہ کے پیچھے برف پوش چوٹی کو دیکھ کر دیا آیا کہ بچپن میں اِس چوٹی کے دوسری جانب کی دُنیا کا کھوج لگانے کی بڑی آرزو رہتی تھی۔ آپ کے خط میں میرے لئے سب

سے زیادہ مسرت کی بات یہ تھی کہ چچا حبیب کا سایہ ہمارے سروں پر سلامت ہے ۔وہ بابا۔تایا عزیز خان ۔کی طرح آج بھی ابا جان سے زیادہ قریب محسوس ہوتے ہیں ۔ دِل کے جیسے مالا جی (خورشہ چچی اور امّی ایک ساتھ یاد آتی ہیں ۔راجہ آپا (مرحومہ) کے ساتھ ہاجرہ (بیگم اسداللہ میر) بھی اِکٹھے یاد آتی ہیں وجہ پھر کبھی بتاؤں گا یادوں کے اس تسلسل کا جو پچھلے ڈیڑھ دو برس سے ایک کمرے میں محدود ہو جانے کے بعد بہت نُمایاں ہو چلا ہے ۔کاش میں کچھ لکھ سکتا اس بارے میں یا اس خط کو آپ محض رسید سمجھ لیں ۔آیندہ تفصیل سے لکھوں گا ۔میرا ایڈریس آپ کو معلوم ہے ۔ہاں کوئی قریبی فون نمبر ہے آپکا ۔اُسکی تفصیل اور یہ کہ ہمارا داماد پرویز کس خاندان سے ہے اور جموں میں کیا کر رہا ہے؟ کیسر (ہندی میں زعفران اور سنسکرت میں شاید چیتے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے (یا پھر یہ ہمارا عربی فارسی والا قیصر تو نہیں؟) بہر حال ان کے بارے میں بھی پوری تفصیل بتائے ۔یعنی میرے ذہنی انتشار کی داد دیجئے ۔ ہوسکتا ہے یہ خط اور تصویروں کی خوشی کا فوری اثر ہو۔

دُعا گو

طاؤس بانہالی

☆

۹ / مارچ ۱۹۹۷ء

اے/402 "حِنا پیلس" ہوشنگ روڈ

سِول لائنز کراچی پاکستان

برادرِ عزیز غلام محمد خان

سلام ورحمت

عزیزہ ارشاد بٹ نے فون کر کے مُجھ پر بڑا احسان کیا کہ آپ لوگوں کی خیر و عافیت معلوم ہوئی۔ خدا کرے آپ لوگ خوش وخرم کاروبارِ حیات میں یونہی مشغول رہیں اور میں اپنے کمرے میں آپ کے سُنتے دیکھ دیکھ کر بانہال کے نصف صدی پُرانے نظاروں کا لطف اُٹھاتا رہوں۔ شاید آپ کو پہلے بھی اطلاع دے چُکا ہوں کہ ڈیڑھ دو سال قبل سارہ بیٹی مجھ کو اسلام آباد سے اُٹھا کر کراچی لے آئی تھی اور اب آپکا یہ "پنشن یافتہ" بھائی اُسی کے فلیٹ میں اُسکی امی کے ہاتھ کا پکایا ہوا لذیز (پرہیزی) کھانے کھا کھا کر اللہ کا شُکر ادا کرتا ہے کہ ابھی تک احتیاج سے محفوظ رہا۔ اب سارہ کی شادی بھی ہوگئی ہے۔ بڑی والی یعنی راشدہ رسول عرف "بیماری" جو ذہنی طور پر باپ سے بھی زیادہ Sick بلکہ Sikh سکھ ہے ،ان دنوں سُکھ کی تلاش میں لندن چلی گئی ہے۔ خدا کرے وہ کسی ٹھکانے لگ کر اپنی مرضی کی زندگی گذارنے میں کامیاب ہو۔ ایک شفیق اور "دوست" ابو کی حیثیت سے Teenage کے دوران جو کچھ رہنمائی اُن کی میں کر سکتا تھا وہ حسبِ

توفیق میں نے ضرور کی ہے۔ ہاں البتہ ''گھر گھاٹ'' کے بارے میں اُن کو پہلے سے بتا رکھا تھا کہ وہ چاہیں تو یہ چیزیں اپنے لئے خود حاصل کر سکتے ہیں۔ خیر یہ باتیں تو ہوتی رہیں گی آپ سے۔ فی الوقت مجھ کو یہ کہنا ہے کہ عزیزہ ارشاد نے اپنی Niece کو نیویارک بُلانے اور اُسکی شادی کرنے کا جو پروگرام بنایا ہے اُس پر عمل کریں ظاہر ہے بیٹی جب نیویارک پہنچے گی وہ خود بھی اِس نئی دُنیا کا جائیزہ لے کر آپ کو مُطلع کردے گی کہ اُسے یہ دُنیا اچھی لگی ہے اور وہ آزاد فضاؤں میں زندہ رہنے کی خواہاں ہے۔ باقی باتیں اُسکی خالہ نے آپ سے کرلی ہوں گی۔ (عزیز ارشاد کی ہم نام سارہ کی امّی نے اپنا نام تبدیل کر کے عائشہ رکھا ہے) میری خواہش ہے کہ کم از کم آپ کی ایک بیٹی اِس نئی دُنیا میں adjust ہو کر ہمّت اور حوصلے سے زندگی گذارنا سیکھ لے۔ ہم اور آپ تو ایسے غیر معمولی حالات سے دوچار ہوئے کہ آپ گھر سے باہر نہیں جا سکے اور میں گھر واپس نہ آسکا لیکن بچوں کو بہتے پانی کی طرح اپنا راستہ خود بنالینا چاہئے۔ اس سلسلے میں تذبذب، تاخیر اور خود غرضی یا بے جا لاڈ پیار اچھا نہیں ہوتا۔ اُمید ہے اب آپ ایک عدد چِٹھی بھی میرے نام ضرور لکھیں گے۔

دُعا گو

طاؤس بانہالی

☆

۲۰؍مئی ۱۹۹۷ء

اے/402 ''حِنا پیلس'' ہوشنگ روڈ

سِول لائنز کراچی پاکستان

برادرِ عزیز غلام محمد خان

سلامت باشد!

نیویارک سے آپ کا خط اور فوٹو گراف مل گئے تھے لیکن سعودی عرب والا خط بد قسمتی سے مُجھ تک نہ پہنچ سکا۔ بہر حال آپ ہمّت نہ ہاریں اور مجھ کو اپنے تمام عزیز و اقارب اور خوبصورت تصویروں سے کبھی کبھار بہلاتے رہیں کہ میری عُمر اور صحت کا تقاضہ یہی ہے۔ یہ بات تو میں شاید پہلے بھی لکھ چُکا ہوں کہ طویل بیماری کے بعد آخر سارہ بیٹی مجھ کو اسلام آباد سے کراچی لے ہی آئی۔ اب اِسلام آباد؛ میں ہسپتال کی سہولیت میسر تھی لیکن کراچی میں اُس طرح بھاگ دوڑ کرنے والا کوئی دوست یا شنا سا نہیں ہے تاہم کھانے پینے اور دیگر معاملات کی جو آسائشیں گھر میں حاصل ہیں وہ اِسلام آباد میں ناپید تھیں۔ گویا حساب برابر ہی رہا۔ خدا کرے جس طرح ابھی تک گذر رہی ہے اسی طور باقی دن بھی بسر ہو جائیں۔ میں نے ایک زمانے میں اپنے ایک عزیز گوجر دوست کو حیران اور فرحان کرنے کے لئے کچھ گوجری اشعار کہے تھے۔ ایک شعر اچانک ذہن کے کسی کونے سے اُچھل کر سامنے کھڑا ہو گیا ہے ؂

دِل کی اُجڑی چھگّی ماں اِک آس کو ویوو بلتو تھو
کوئی وساہ نئیں سیاہ کو دستو گل نیڑا کی دور ہوئی
ماہلی اُپّر تمبو تان کے پچھے برف کو ویلا کی
ویلا کا پھل توڑن کی تم ناں ایڈی کے تاوَل تھی؟

دیکھ لیا آپ نے؟ اپنا گُجر ناڑ اور ابّا جان مرحوم کا ''دھرم باپ'' محمد علی چوہدری مُجھ کو اب تک نہیں بھولا جس نے ایک بار ہمارے گھر آ کر مُجھ سے یہ کہہ کر خوب پیار بھری باتیں کی تھیں کہ میں تمہاری عمر میں (چھ سال کے قریب) تمہارے باپ کو بیٹا بن کر چمبلو اس لے گیا تھا لیکن یہ بے وفا ہمیں چھوڑ کے پھر بھاگ آیا۔ اب سوچتا ہوں کیا اتفاقات پر زندگی کے۔ ایک ایک بات یاد آتی ہے اب جو آنکھیں بند کر کے لیٹنے کی فرصت ملی ہے۔ صرف آج کی بات یاد نہیں رہتی۔ یعنی حال کا ہوش نہیں۔ کیا کیفیت ہے صرف اس بات کا افسوس ہے کہ کاش ''حالاتِ حاضرہ'' سے لپٹ کر کشمیری یا مجبوراً اُردو زبان میں سنجیدگی کے ساتھ شاعری ہی کی ہوتی! کچھ تو یادگار چھوڑ جاتے۔ چلئے یوں ہی سہی! اب بھی کُچھ چیزیں اکٹھی کی جاسکتی ہیں کُچھ دوستوں سے۔ شاید میرا اُجر یار بابائے گوجری الحاج رانا فضل حسین راجوروی کُچھ کر دکھائے۔

ہاں یار! ذرا سنجیدگی سے سن اسی کی دہائی میں کلچرل اکیڈیمی سرینگر نے ان ہی رانا فضل حسین صاحب کا ایک گوجری مجموعہ شائع کیا تھا 'باپھل باپھل پانی' جس میں میرا دیباچہ بھی شامل تھا۔ کبھی ہمت کر کے اپنے لئے ایک کاپی حاصل کر لو۔ وہاں میرے چاہنے والے محمد یوسف ٹینگ صاحب تو اب ریٹائیر

ہو چکے ہیں لیکن کشمیر یونیورسٹی میں شعبۂ اُردو کے سربراہ ڈاکٹر محمد زمان آزردہ میرے دوست ہوتے ہیں آپ اُن سے رابطہ کرلیں۔ ایک اور حوالہ بھی تھا جنہیں میں صرف نام سے جانتا ہوں۔ ڈاکٹر مرغوب بانہالی جو ہمارے اُستاد مولوی غلام احمد بنکوٹی کے داماد ہیں اور شعبۂ کشمیری یا فارسی کے سربراہ ہیں سرینگر یونیورسٹی میں اچھا برادر سب کو دعا و سلام کہو اور خط لکھتے رہا کرو۔

دعا گو

طاؤس

☆

۱۰ر فروری ۱۹۹۸ء

اے/402 ''جِنا پیلس'' ہوشنگ روڈ

سِول لائنز کراچی پاکستان

برادرِ عزیز

السلام علیکم

فاروق اسد اللہ میر نے، کن جتنوں سے میرا کھوج لگایا ہے اسکی تفصیل خود اُنہی سے سُنیئے۔ میرے لئے اُن سے مُلاقات ویسی ہی ہے جیسے میں آپ سے مُلاقات کر رہا ہوں۔ پچھلے آٹھ نو برس سے میرا جو احوال بیماری کے سبب ہے اس کو مدنظر رکھتے ہوئے مجموعی طور پر زندگی کے آخری ایام میں قدرت بہت مہربان معلوم ہوتی ہے کہ کراچی کے ایک اچھے علاقے میں ایک فلیٹ کے صاف سُتھرے کمرے میں پڑا رہتا ہوں۔ علاج معالجہ، کھانا پینا، دیکھ بھال غرض ہر طرح سے کوئی کمی یا احتیاج نہیں اور کیا چاہیئے؟ چھوٹی بیٹی سارہ، اُسکی امی اور سارہ کی تو دس ماہ کی بیٹی مریم جواد ہر وقت میرے پاس ہوتے ہیں۔ سارہ کے میاں جواد حیدر ایک نوجوان میوزک کمپوزر ہیں جو ایک مقامی گراموفون کمپنی میں مُلازم ہیں۔ بڑی بیٹی راشدہ رسول صاحبہ آخر اپنی پسند کے شہر لندن میں ہیں بسلسلۂ ملازمت۔ وہ سعودیہ ائیر لائینز میں مُلازمت کرتی ہیں۔ یعنی ہر طرح سے اللہ کا احسان ہے'' میرا مسئلہ 'دیدہ ودل' کی پرانی بیماری کے علاوہ یہ ہے کہ شدید انیر وما Chronic Asthma کے سبب دو قدم چل نہیں سکتا۔ لکھنا پڑھنا یا کوئی

کام کرنا پہلے ہی موقوف ہو چکا ہے۔ اسلئے آنکھیں بند کر کے بچپن کی باتوں میں کھویا رہتا ہوں تاوقتیکہ مریم کی چیخ پکار چونکا دے۔ گویا اقبال کے بقول

تیری بندہ پروری سے مرے دن گذر رہے

نہ گلہ ہے دوستوں کا نہ شکایتِ زمانہ

یہ احساس کہ آج تک میں اپنے پرائے کسی کے کام نہ آسکا۔ آپ لوگوں کے دیدار سے محروم رہا۔ تکلیف دہ ضرور ہے لیکن دُنیا میں لوگوں پر اس سے زیادہ ستم ہوتے چلے آئے ہیں پچھلی نصف صدی سے اس لئے شکوہ بے جا ہے۔ پچھلے سال فروری میں نیو یارک سے ہوتا ہوا آپ ایک خط برسوں بعد ملا تھا پھر اُس کے بعد خاموشی چھا گئی۔ میں نے امریکہ، سعودی عرب میں مقیم کچھ دوستوں کو خط لکھے تھے کہ آپ کے نام میرے خطوط کے جواب میں کوئی خط آئے تو بھجوا دیں لیکن فاروق اسد میر صاحب نے آپ کی خیر و عافیت سے آگاہ کیا۔ ظاہر ہے کہ میرے مادی جسمانی بلکہ روحانی حالات کشیدہ رہے آپ لوگوں سے مُلاقات کی کیسے توقع رکھ سکوں لیکن نا اُمیدی کفر ہے۔ کیا خبر کبھی ملاقات ہو ہی جائے۔ بڑی مُشکل سے گھر والوں کی چار پانچ تصویریں مل سکی ہیں اِنہی پر گذارہ کریں۔ ہاں ایک پارکر ففٹی وَن کو تقریباً اتنے ہی برسوں سے سنبھال کر رکھا تھا۔ اس سے تم میری یاد میں وہ ''ملفوظات'' لکھ سکتے ہو جس میں نہیں لکھ پایا۔ اب اس وقت مجھے کچھ نہیں سوجھتا کیا لکھوں؟ ''طاوسہ خبر چانہِ کتھِ لو کھ معنہِ کرن کیاہ؟

دُعا گو

طاؤس

راولپنڈی

۲۲ر دسمبر ۱۹۹۹ء

برادرِ عزیز

دعائیں

دو سال پہلے میر اسد اللہ مرحوم کے ایک بیٹے سے کراچی میں ملاقات ہوئی تھی تو آپ کا کچھ احوال معلوم ہوا تھا اُسکے بعد میں دمہ Asthma اور دوسری کچھ ایسی بیماریوں میں مُبتلا ہوا کہ ڈاکٹر کے مشورے پر کراچی چھوڑ کر راولپنڈی آنا پڑا۔ (اسلام آباد میں بھی میری بیماری کے لئے آب وہوا کچھ زیادہ موافق نہیں کیونکہ یہاں ایک مقامی "پولن ایلرجی" سے سانس کی تکلیف زیادہ ہوئی ہے) اب صورتِ احوال یہ ہے کہ سب اپنے ہی دفتر کے ایک کشمیری بھائی شیر محمد شیخ کے گھر paying guest کی حیثیت سے ٹھہرتا ہوں اور وہ اپنے بال بچوں سمیت میری خدمت میں جُٹے رہتے ہیں۔ جُز وقتی طور پر دفتر بھی جاتا ہوں تاکہ احتیاج یا معذوری کی علّت سے محفوظ رہوں، لیکن دو قدم پیدل چلنا یا سیڑھیاں چڑھنا مُشکل ہوجاتا ہے اللہ کا شکر ہے کہ صحت کے علاوہ کسی طرح کی اور تشویش نہیں ہے اور ۶۶ر برس گذارنے کے بعد بھی جوانوں کی اُمنگیں رکھتا ہوں۔ چھوٹی بیٹی سارہ کی ایک بیٹی مریم اب ڈھائی سال کی ہوگئی ہے۔ سارہ اپنے میاں جواد حیدر کے ساتھ کراچی میں اپنے فلیٹ میں ہی رہتی

ہے۔سارہ کو بھی ایک آدھ خط لکھ ڈالیں سیدھے سبھاؤ کوئی سوال پوچھیں۔ایک بات کہوں کہ والدہ کی بیماری کا اُس پر بھی ذہنی اعتبار اثر ہوا ہے۔راشدہ لندن میں خیریت سے ہے۔

Mrs Sarah Jawad
A-1/402, "Hina Palace" Hoshang Road, Civil lines
Karachi

اُن کا فون نمبر 021-5653808

راولپنڈی میں میرا ایڈریس ہے طاؤس بانہالی معرفت شیر محمد شیخ A/727 گلی نمبر 3 ارجن نگر۔ سیٹی صدر روڈ۔ راولپنڈی ۔فون نمبر 051-539820۔اس پتے پر مجھ کو ضرور خط لکھیں اور احمد اللہ بٹ کے گھر کا پوسٹل ایڈریس بھی لکھ بھیجیں۔ والسلام

دعا گو

طاؤس

☆

برادرم!

آپ کا خط اباجان، علی اور عتیقہ کے خطوط کے ساتھ ملا۔ تمہاری باتوں کا جواب تو مفصل ارشاد ہی دے سکتی ہے۔ میں تو صرف تصویریں بھیجنے کے سلسلے میں تمہاری کارکردگی کی داد دونگا۔ امی اور راجہ آپا سے لیکر ستارہ تک میں نے ایک بدلتی ہوئی دُنیا دیکھ لی۔ یوں بھی اب میرا تصور اتنا دُھندلا گیا ہے کہ تصویروں کے بغیر گذارہ ہونا مُشکل تھا۔ عتیقہ نے شاد کو خط لکھا ہے اس لئے مُجھے اس سے مزید کچھ نہیں کہنا لیکن علی کا خط دیکھ کر جو ایک پورے کنبے کی یاد میرے ذہن میں تازہ ہوگئی ہے اُسکا حال مختصر لفظوں میں کیا لکھوں ویسے تعجب کی بات ہے کہ قدوس اور اسد تو میرے ذہن میں تازہ تھے لیکن علی کا خیال صرف اُسکے ایک تو تلے سے جُملے تک اب کہیں ذہن کے کسی کونے میں جاگ پڑا ہے کہ رسول ماموں مُصلے پر بیٹھے کچھ گنگنا رہے ہیں اور علی صاحب گھٹنوں کے بل سماوار کو چھونے کی کوشش کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ 'بابے بوتہِ ہے چھے چائے'' اور پھر عزیز ماموں سے لیکر احد مرحوم تک کون بھول سکتا ہے علی نے خط لکھا تو معلوم ہوا کہ ستارہ بھی زندہ ہے، بھئی اُس سے کہو کہ لڑکیاں ہر چند پرایا دھن ہی سہی لیکن کبھی اپنے ہاتھ سے خط تو لکھے۔ مانا کہ وہ مُجھے بختو جتنی پیاری بھی نہیں لیکن اسکی یاد ہمیشہ زیادہ ستاتی رہی ہے اور؟ امّی اب تو خوش ہیں نا؟ علی سے کہنا کہ تصویر ستارہ کا خط آنے پر بھیجدونگا ورنہ نہیں۔ وہ بھی اُس صورت میں جب ستارہ ہماری ممانی جان

اور زیب آپا کی سفارش بھیجدے۔ اور بچوں کے بارے میں اس وقت تک کچھ نہیں لکھنا جب تک خود باپ نہ بن جاوں۔ پچھلے تین ماہ سے تو میں ابھی ارشاد کی اُلٹیاں دھونے میں مصروف ہوں۔

ہاں یاد آیا وہ ژاچہ ہال اور ونپورہ میں جو ڈھیر سارے پیارے لوگ تھے سارہ آپا سے لیکر فاطمہ آپا تک اُن کا کیا حال ہے اور عشرز۔نہال والے کس حال میں ہیں۔ضرور لکھنا لواب تم شاد سے باتیں کرو میں عتیقہ کی خبر لوں۔

طاؤس

☆

۲۰ رمئی ۱۹۶۱ء

عزیزم! غلام محمد

تمہارے خط کا جواب میں اُس صورت میں دیا کرونگا کہ تم مفصل خط لکھا کرو تمہارے امتحانات ہو چکے ہونگے اور اس سال فائنل کی تیاری (بلکہ آئندہ کی ہمواری کے لئے بھی) تمہاری مصروفیات اور بڑھ جائینگی اور تو ہمیں کوئی خاص کام نہیں سو مجھے تمہارے خطوط کا انتظار رہے گا میرے جواب کا تُم انتظار نہ کیا کرو میرے پاس کہنے کے لئے دھرا بھی کیا ہے سوائے اس کے کہ میں خیریت سے ہوں۔ ابا جان کو دوروز ہوئے خط لکھ چکا ہوں ہاں تمہارے احمد اللہ بٹ صاحب نے مجھے اب تک کوئی خط نہ لکھا۔ شکوہ اب تک نہ کیا تو اب اُن سے کیا کروں اُنکے ابا کبھی کبھی والد صاحب سے بھی زیادہ یاد آتے ہیں۔

چاچا حبیب دی گریٹ۔ کیا وہ اب بھی اُتنے ہی سادہ اور مخلص ہیں یا اُن پر بھی بھائیوں کی دیکھا دیکھی دُنیاداری کا مُلمع چڑھ گیا ہے۔ اُنہیں میرا اسلام۔

پتہ وہی ہے حسب سابق۔

فقط تمہارا

طاؤس

☆

طاوس بانہالی
اپنے دیگر مکاتب کے آئینے میں

۲۶/اپریل ۱۹۸۹ء

اے آزردہ گان، دِل زدگاں کا سلام پہنچے اور مختار صدیقی مرحوم کا یہ مصرعہ کہ ؎ دِل دِل نعرۂ دل زدگاں ہے جیسے سب نے گنوائے دِل۔ (اب کِس دیس کو جائے دِل؟) ''کہنا یہ تھا کہ مری آنکھ کا کاجل دیکھو'' یہ بھی مختار صاحب کا ہی مصرعہ ہے) میں جو تقریباً چار سال سے خاموش ہوں، خود سے بھاگتا ہوں اور مُنّہ چھُپائے پھرتا ہوں تو اس میں میری اعصابی بیماری کے علاوہ کچھ (گھٹیا قسم کے) ذاتی دُکھوں کا بھی دِخل ہے مثلاً یہی کہ میری بیٹی جو ڈھائی سال پہلے آغا خان یونیورسٹی میں ایم بی بی ایس کی غرض سے کراچی چلی گئی تھی ابھی تک کراچی میں ہے۔ بیمار ہے۔ پڑھ بھی نہیں سکی۔ اور آئندہ بھی کُچھ نہیں معلوم ...... اُسکے ساتھ ساتھ اُسکی چھوٹی بہن جو اپنی ماں کے ساتھ ہمارے بہت دُکھ دیکھ گئی تھی۔ اپنی تعلیم کا سال بچانے اور کراچی کے فسادات سے بچنے کے چکر میں ابھی تک Olevel کا امتحاں دینے کے مرحلوں میں ہے۔ مطلب یہ کہ اگر میں اپنے 'خوجیانہ' کارنامے بیان کروں تو فسانۂ آزاد چاہئے۔ اب آپ ہی کہئے اس حال میں آپ کو کیا لکھتا کہ میں کیوں زندہ ہوں جبکہ اقبال ساجد جیسے لوگ یہ کہہ کر مر گئے کہ ......

ہمارا حوصلہ دیکھو ہم ایسے گھر میں رہتے ہیں

(جہاں بھونچال بُنیادِ فصل و در ہلا دیتے ہیں) یا پھر واہ سبطِ علی صبا مرحوم ؎

دیوار کیا گری مرے کچے مکان کی
یاروں نے میرے صحن میں رستے بنالئے

سو یہاں تو کچا مکان بھی نہیں۔ باقی باتیں آپ امین صاحب سے پوچھ لیجئے گا۔ یہ تو ہوا غالب والا احوال کہ میں کہاں اور یہ وبال کہاں، مگر جو طاؤس تھا اُس نے کیا کیا؟ بلکہ وہ جولسہ خان تھا۔ بقول خیالؔ "کاشر زبو چھم تالس اُلجمِرْ" اب آپ پھر مرزا کی بات نہ کیجئے کہ بے صرفہ ہی گزرتی ہے...... یا گزری نہ بہر طور...... برسبیل تذکرہ یہ محی الدین مرزا تو چھوٹے میاں نکلے ماشاء اللہ۔ دو مرتبہ ریڈیو سے اُن کی مختصر سی گفتگو سُننے کا موقعہ مِلا اور یقین ہو چلا کہ "ہماری آپ کی باتیں ہیں سیّد کام کرتے ہیں" کاش کبھی ملاقات ہو یا کم از کم انکی کوئی دستاویزی فلم ہی دیکھنے کو ملے (اب تو دو قدم پر بھی کُچھ نہیں سوجھتا) زمانؔ بھائی کیا آپ اب بھی میری آشفتہ بیانی سے بیزار نہیں ہوئے۔ میں تو اُکتا گیا۔ مہینوں بعد اِتنی سطریں سوچ کر لکھی ہوں گی ورنہ صرف خبروں کے ترجمے تک رہ گیا ہے سارا کام۔ ہاں یاد آیا یہ جو آپ کے یہاں اُردو کے زیرِ اثر کشمیری کے مذکر الفاظ کو بھی مونث باندھنے کا سلسلہ چل نکلا ہے۔ کبھی "خوجہ مہینو" کی طرح اِس پر بھی ایک ریڈیائی گفتگو ہو جائے تو کیا مضائقہ ہے۔ یاد آیا۔ مغربی پاکستان کے (ون یونٹ) کے وزیر اعلیٰ ڈاکٹر خانصاب لاہور میں تقریر کر رہے تھے شاید نواب مظفر علی قزلباش نے دھیرے سے کہا کہ قوم مونث ہے مذکر نہیں ہے، خانصاب اتنی ہی قوت سے مائیک پر لوگوں کی طرف مخاطب ہوتے ہوئے بولے کہ "بھائی

پنجاب کا قوم مونث ہوگی ہمارا پشتون قوم مُذکر ہوتا ہے (چہ ہمکوموت بھی آتی نہیں ہے آتا ہے) اس تمہید سے مُراد یہ تھی کہ ضرورت، نظم، غزل یہ بچپن سے کشمیری میں مُذکر بولتے تھے پھر اب مونث کیوں کر ''ہوگئیں''؟ کہ عُریاں ہوگئیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ آپ کا قرض بے حساب ہے اور حساب دوستاں دردل کے باوجود سوچتا ہوں کہ Thoms Thosttes سے لیکر برج صاحب کے منٹو تک میں نے رسیدگی کی اطلاع بھی نہیں دی مضمون لکھنا تو درکنار......ایک آدھ بار برادر عزیز ڈاکٹر اظہرؔ سے بھی کہا تھا لیکن وہ بھی پرنسپل ہونے کے بعد بندھ کر رہ گئے تب ہاں، ایک وہ جوان رعنا یوسف حُسن (اُس نے آپ کو امروز کے انٹرویو کی کاپی بھی بھیجوا دی تھی) اُس سے بات کرتا ہوں۔ آپ دُعا کیوں نہیں کرتے کہ مجھے خداوند کریم تھوڑی سی ہمت عطا فرمائے! اچھا اب میں وعدہ کرتا ہوں۔ دیوان غنی تو جاوید صاحب نے کہیں گنوا دیا ہے۔ خیر اب آپ تمہید سے مُدعا پا چکے ہوں گے۔ مقصود یہ تھا کہ رژدیدؔ کے واکھوں سے لے کر رہبر صاحب کی تاریخ تک اور 'ہندی' زبان کے قاعدے سے لے کر بامزئی صاحب کی سوشو اکنومک ہسٹری تک کتنے ہی نسخہ ہائے وفا ہیں جو تالیف ہونے سے رہ گئے۔ جب آپ اوتار رکشن رہبر کو میرا سلام کہیں اور گوش گذار کریں کہ ایک شخص تقریباً ہر روز اسلام آباد میں بیٹھا آپ سے باتیں کرتا ہے تو یہ بھی کہہ دیجئے کہ ڈاکٹر گنجو نے جو چھم پد دریافت کئے ہیں، اُن کی ایک نقل بمع شرح اگر بھجوا دیں اپنی تاریخ کے ساتھ تو کون سا حاتم شرمندہ ہوگا ہاں اِسلام آباد کی اِس مِصری بُڑھیا کا نام خریداروں میں ضرور لکھا جائے گا۔ اور ہاں اُن سے یہ بھی پوچھیے کہ یہ

ڈاکٹر زُتشی کون ہیں جنہوں نے ڈوگرہ دور کی مدافعت کے بارے میں کتاب لکھی ہے؟ اگر ہوسکے تو برادرم محمد امین سے کہد یجئے کہ خرید کر اپنے ساتھ لے آئیں۔ پھر التفاتِ دِل دوستاں رہے نہ رہے۔ اب آپ کو یقیناً مجھ سے نفرت ہو رہی ہوگی اسلئے خدا حافظ۔

طاؤس

۲۶/اپریل ۱۹۸۹ء

(محمد زمان آزردہ)

☆

۱

اے شوخ وشنگ اور تیغ وتفنگ والے ملاّ افغانی![1]

ہوشنگ روڈ (کیومرث وہوشنگ یعنی پارسی قبرستان؟) سے یہ بے ننگ و نام کشمیری تجھ سے یوں ہمکلام ہونے کا آرزومند ہے کہ ''ننگ'' والی چیز اَب کابل تا کشمیر کہیں نظر نہیں آتی، ہر طرف نہنگ ہی نہنگ نظر آتے ہیں۔

''دیکھیں کیا گزرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک''

کشمیریوں کی للّہ عارفہ یا لل دید (بڑی ماں لل) تو کہتی ہیں۔

تیر و تفنگ گوارا ہوں گے جب لوگوں کی ملامت کے
تب زنجیر ندامت کے حلقے سمجھوں گی ٹوٹ گرے
جس دن میرے مُضطر دل نے مجھ کو کچھ آرام دیا
اس دن سمجھوں گی میں ننگ و عار کے پردے چاک ہوئے

پس اے میرے شفق رنگ مشتاق! یہاں تو مختاروں کی ''مختاری'' اور مجبوروں کا جبر دونوں ہی ہمارے سی۔این۔او کی طرح ہیں، بس میر صاحب والی بات ہے۔ ''ہم کو عبث بدنام کیا''، لیکن ہم جیسے Make belove والوں کے لئے تو وہ قیامت ہی کر گئے ہیں۔

یہ توہّم کا کارخانہ ہے یاں وہی ہے جو اعتبار کیا

[1] طاؤس نے یہ مکاتب ۱۔۱۷ اپنے ایک عزیز دوست مشفق الرحمان کے نام تحریر کیے۔

اب دو ماہ ہونے کو آئے یعنی 27 ستمبر (1995ء) کو میں یہاں آیا تھا اور 28 نومبر (1995ء) کو باٹھا (62) ہو جاؤں گا۔ کوئی کام کرنے کے قابل ہوں نہیں۔ اور پیسے چاہئیں زندہ رہنے کے لئے۔ میں دو چار روز میں اسلام آباد آ رہا ہوں۔ سوچ رکھنا! کیا کرنا چاہئے مجھ کو؟

شفیق جی! کام تو زندگی میں بہت تھے لیکن وہ جو رضا ہمدانی اور فارغ بخاری نے کبھی کیا تھا پشتو کے سلسلے میں۔ میری خواہش تھی کہ اس سے زیادہ اچھے پیمانے پر کشمیری ادب کے لئے کر گزروں لیکن ہمیشہ دو وقت کی روٹی آڑے آتی رہی۔ اب جو موت سر پر کھڑی ہے تو یاد آتا ہے کہ میں نے "رشی نامہ" جتنا ترجمہ کیا اس سے دُگنا کلام حضرت شیخ نورالدین ولی کا مزید دریافت ہوا ہے لیکن اس سے بھی زیادہ۔ ہمارے ادب روحانیت اور کشمیر کی ماں للہ عارفہ کو یوں تو قسطوں میں اُردو، انگریزی بلکہ سنسکرت میں کر رکھا ہے لوگوں نے۔ مگر ان کے سارے کلام یا ان سے منسوب واکھوں (دوہوں بلکہ قطعات) کا مکمل اُردو ترجمہ آج تک نہیں ہوا۔ مجھ کو یہ دولت ودیعت ہوئی تھی کہ میں شاعری کو "منتقل" کر سکتا ہوں اُردو زبان میں (ترجمہ تو شاعری کا کبھی ہو بھی نہیں سکتا) لیکن میں یہ کام ٹالتا رہا۔ اب جو آنکھیں بھی بلکہ آنکھ بھی ٹمٹما رہی ہے تو لل ماں یاد آئی ہیں۔

سو اس سلسلے میں ج راولپنڈی کا دورہ بہت ضروری ہے تا کہ آپ سے کینٹین پر حساب بے باق کیا جا سکے۔ ولی (نگری) سے کچھ نہ کہنا کہ وہ ہپّی ہو گیا ہے البتہ Angree old man شیر محمد شیخ صاحب کو خبردار کرنا کہ طاوس آ رہا ہے۔

بیتاب صاحب حکومت سے حلال کے پیسے لے کر پریس لگا رہے ہیں یہ

بہت بڑی خبر ہے۔ اب آپ ان کا اخبار بھی چلائیں گے اور کتابیں بھی چھپائیں گے .... کشمیریوں کو دیکھو اور مجھ پر رحم کھاؤ۔ ایک درابو صاحب ہی میرے ادب پارے سُنیں تو سُنیں، دوسرا کوئی کان دھرنے کو تیار نہیں۔ اب آپ منظور صادق سے لے کر ٹرانسپورٹ کے محمود احمد اور پشتو کے محمود غزنوی (سواتی) سے لے کر فاروقی صاحب تک سب کو میرا اسلام کہیے۔

ہاں امین صاحب (صاحبزادے) اور اپنے امین صاحب دونو ''نزاکت خانو'' کو بھی میرا اسلام۔

فخر عباس دو ایک بار فون پر ملے تھے ویسے ہی ''ہاتھ میں تلوار بھی نہیں'' ہیں بھی ویسے ہی مُلّا یعنی پنجابی ہیں۔ وہ شخص بہت اُداس کر جاتا ہے۔ خدا جانے اس کا کیا حشر ہوگا۔ میری طرح ماں باپ سے بھاگتا ہے، لاڈلا جو ہوا کوئی Mrs طاؤس اس کا بھی دماغ ٹھیک کر ہی دے گی۔

مولوی بچہ اب فسٹ ائیر کا امتحان دے گا نا؟ اس سے دوستی پکی رکھ لینا۔ اور کوئی بات نہ چھپانا۔

ہاں جب تم حاجی صاحب (شبیر احمد خاں) اور بہرہ مند کو میرا اسلام کہہ چکو تو میرے ایک اور محبوب قیوم صاحب اور شازمہ کو نہ بھولنا۔

سندھی پنجابی یونٹ کے الیاس اور ویسر نہ جانے ہر وقت کیوں نظروں میں سمائے رہتے ہیں؟

طاؤس

۲۵/نومبر ۱۹۹۵ء

۲

میم ۔ رے ۔ شفق صاحب! نون میم راشد کی روح آپ سے راضی ہو
السلام علیکم کے بعد واضح ہو کہ جب حالات یا واقعات کے سبب خود کو بوجھل
محسوس کرنے لگو تو فضل محمود سے فزیوتھرپی (Physio therapy) کے علاوہ
خود بھی کبھی Write your self out of it..........

بقول علامہ اقبال ؔ

برآرد ہر چہ اندر سینہ داری
سرودے ، نالۂ آہے فغانے

اے شاعر افاغنہ! اے پٹھان مولوی! کیا عبدالعلی خان اور غنی خان کی
تعزیت کے بہانے بھی خط نہ لکھوگے

طاؤس

۲۳ر فروری ۱۹۹۷ء

☆

٣

A-1 /402
Hina Palace
Hoshang Road
Civil Lines
Karachi
31/3/1997

شفقی یا مشفقی ! ایک برابر ہے

السلام علیکم !

آپ اکثر ناشتے پر یاد آتے ہیں۔ آج کچھ زیادہ ہی یاد آئے اور میں نے بے اختیار ہوکر ''واشفقا'' کی ایسی ہانک لگائی کہ گھر والے چونک پڑے...... کچھ دیر بعد آپ کا خط ملا۔ جواب شام ڈھلے بھی زیر مطالعہ ہے۔ بیکاری کا ایک بڑا فائدہ یہی ہے کہ میں دن رات لیٹ کر یا بیٹھے ہوئے بھی آنکھیں بند کر کے گزرے ہوئے لمحوں کو یاد کرتا رہتا ہوں۔ کیفیت میری وہی ہے جو حکیم امین (مرحوم) کی ہوتی تھی چلنے پھرنے کی صورت میں .... لیکن کبھی کبھار سینے اور سر میں بیک وقت ایسی لہر اُٹھتی ہے درد کی کہ........... اصل تکلیف یہ ہے کہ آپ لوگوں سے اب ملاقات ذرا مشکل ہی نظر آتی ہے........... حالانکہ ایک زمانے میں ہم کشمیر جا کر اپنے ماضی (حال اور مستقبل) سے ملاقاتوں کے لئے دن گنتے تھے۔

حسن وا گے فخر عباس اور ولی نگری جیسے لوگوں کا تذکرہ کر کے آپ نے کیا

کیا یاد دلایا۔ ولی کو شمالی تو نہیں ہاں دکنی کے مقابلے میں ''اُتری'' کہہ سکتے ہیں۔ (کیا اُتری؟ کیسے اُتری؟ کس نے اُتاری؟ یہ آپ کا مسئلہ ہے) پورب پچھّم اُتّر۔ دکن یعنے مشرق، مغرب، شمال جنوب، میرؔ نے کہا تھا نا۔

کچھ ریختی کے یونہی ہم میر نہیں عاشق

معشوق جو تھا اپنا، باشندہ دکن کا تھا

آپ کے عالمگیرؒ (مغل بادشاہ اورنگ زیب محی الدین) کی ایک معشوقہ بھی تو دکن کی تھی جس کے لئے شاید نصف صدی (پاکستان کی نصف صدی کی طرح) اُنہوں نے جنوبی ہند کو رام کرنے میں صرف کی تھی۔

طاہر آفریدی صاحب کو فون کر ہی لوں گا کسی روز، ویسے تو سعودی عرب نیویارک اور واشنگٹن بھی فون کر کے دیکھا لیکن دل کا قرار اب میرؔ کے بقول...... ''صبح گیا یا شام گیا'' والی بات ہے......فیض صاحب کی طرح لِلہِ الحمد کہیں گے۔

''جب بھی آجائیگی جس روز قضا آئے گی''

موت مسائل کا حل نہ سہی اس لئے اے میرے شفق! اپنے گھر کی، دفتر کی۔ چھوٹی چھوٹی باتیں کرتے رہو تا کہ بیرونی دُنیا سے میرا رابطہ قائم رہے۔ مجھ سے اگر عبرت اور کوئی نصیحت حاصل کرنا چاہو تو یہی ہے کہ لکھتے رہو بس اپنی نظم، نثر سے پشتو کو مالا مال کر دو اور اس اجمل دی گریٹ سے (میری طرف سے بھی) مل لیا کرو جو خوش قسمتی سے آپ کی دسترس میں ہے۔

فقط

طاؤس

۴

A-1/402

حنا پیلس۔ ہوشنگ روڈ

سول لائنز۔ کراچی

27/6/97

جناب میم۔رے۔صاحب

مبارک ہو کہ آپ آخر ''صاحبِ اولاد'' ہو ہی گئے۔ آپ کی معنوی اولاد ''شفق رنگ'' کی تولید پر کلینک کا بل کتنا بھاری ہوگا۔ ساڑھے چار سو مجلد صفحات کے لحاظ سے؟ اور درد زہ کی یہ لذّت آپ کب تک لیتے رہیں گے۔ یہ بعد کی بات ہے فی الحال تو اس اولاد صالح کو دیکھ دیکھ کر لطف اُٹھایئے یہ آپ نے ملاحظہ فرمایا میرے کھسیانے پن کا؟ کیسے کھمبا نوچ رہا ہوں..........ساری عمر سوچتا ہی رہا کہ اپنی مرضی سے سو ڈیڑھ سو صفحے لکھ کر خود ہی چھپوا کر دوستوں میں بانٹ دوں گا لیکن میری زبوں ہمّتی ہمیشہ آڑے آتی رہی اور ایک یہ ''پٹھان مولوی'' ہے جس نے......''مرداں چنیں کنند'' کا عملی مظاہرہ کیا۔

اب بعد از جنگ یاد آنے والے مکّے ہوا میں لہرا رہا ہوں کہ اگر مجھ کو ''شفق رنگ'' کا پورا مسودہ فرصت کے لمحات میں ملتا تو میں کانٹ چھانٹ کر کے اسے زیادہ سے زیادہ ڈھائی سو صفحات تک جانے دیتا وغیرہ وغیرہ لیکن مبارک ہو پٹھان

مولوی صاحب کہ آپ کشمیری پٹھان کے سائے سے محفوظ رہے۔ ورنہ فخر عباس کی طرح نظم ونثر کے ادھورے مسودے سرہانے دھرے لمبی تان سوئے رہتے۔

....

اب دیکھئے تو رووالے ''شفق رنگ'' کا استقبال کس انداز سے کرتے ہیں۔ گھر والے تو خیر اتراتے پھریں گے (اگر اخراجات کی طرف دھیان نہ گیا تو) لیکن مجھ کو حیرت ہے کہ ان تمام مضامین میں کہیں بھی آپ کے بیوی بچوں کا ذکر نہیں ملتا۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ آپ بھی میر عبدالصمد خاں صاحب کی شریعت والے ہیں۔

....

میری حسرت ہے کہ فوری طور پر اجمل خٹک صاحب کے زیر اہتمام اسلام آباد میں اسکی رونمائی ہو......اور حاجی شبیر کا پٹیرول جلنے کے ساتھ ساتھ شازمہ حلیم کو بھی اپنی گفتاری کا بہانہ ہاتھ آئے......

بہرہ مند صاحب اور صاحبزادہ امین اب خوش ہوں گے۔ کاش ہمارے نیلی آنکھوں والے امین بھی ہوتے جو آخری نشانی تھے کشمیری تہذیب وتمدّن کی۔

....

مولٰینا صاحب کا ذکر تو خیر سہہ گیا تھا لیکن والدہ کے تذکرے اور خاص طور پر نیند میں مولانا اور آپ سے اُن کی باتوں نے خوب ہی رلایا۔

-''کوئی بات نہیں بیٹا! اپنے دل کو ہلکان نہ کرو''

-یہ مشتاق ہے۔ بیچارا رو رہا ہے

(شفق رنگ ۳۲۱)

واقعی ناقابل فراموش۔

اچھا اب تقریبوں سے فرصت ملے تو لفٹ کے بغیر چوتھی منزل کے ایک کمرے میں قید اسی مرغ بانہالی کی خبر لینا۔ جو حکیم امین کے آخری ایام کی تصویر بنا بیٹھا ہے.........یاد آیا احمد شمیم!

بہتے دریا کا سفر میرے مقدر میں نہیں
میں تو پانی میں پڑا رہتا ہوں پتھر کی طرح

اللہ کا شکر ہے کہ ''شفق رنگ'' میں ''فلمی اشعار'' کی بھرمار کے ساتھ کہیں کہیں کوئی برمحل شعر بھی نقل فرمایا ہے آپ نے

ڈھیروں پیار

''خدا ٹیڑھے کاموں کو سیدھا[۱] کرنے کی مہلت دے'' طاؤس

۲۷/جون ۱۹۹۷ء

[۱] خوشحال خان خٹک کا ایک مصرع ہے۔

شعر:۔

خدایہ ہومرہ مُہلت ورکرے پہ دُنیا کنبی
چی کا زہ کا رونہ سم کاندہ خوشحال

''اے خدا! دُنیا میں بس اس قدر مہلت دے کہ
خوشحال ٹیڑہے کاموں کو سیدھا کرسکے''

☆

۵

ہو شفقو! اب لوگ آپ کو مشفق الرحمٰن شفق رنگ کہا کریں گے جیسے ہماری کلاسیکی موسیقی کے صدا یا سدا رنگ ہو گزرے ہیں۔

اجمل خٹک ہوں کہ بیگم صاحبہ! آپ اپنی بھولی صورت سے سب کو دم دینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں لیکن جس دن ذرا سی داڑھی نمودار ہوئی تو چہرہ کھلی کتاب کی طرح بھید کھول دے گا۔ محمود صاحب تو خیر بیتاب صاحب کی راہ پر چلنے والے ہیں ہم شاید اُنہیں اسلام آباد میں اپنی کوٹھی Requisite کرواتے نہ دیکھ پائیں لیکن آپ ضرور دیکھئے گا۔ اور ہاں وہ اصلی محمود (فضل) کیا آدم وحوا کے گرداب میں آ گئے یا ابھی تک زندہ ہیں؟

شفقت مُنیر صاحب ایک نیک بیوی کے شوہر اور ایک مکّار بیٹے کے باپ ہیں اس لئے مجھ کو سہ گونہ پیار ہے اُن سے .... ایک جمال صاحب بھی ہوتے تھے وقار صاحب کے علاوہ --- کیا وہ بھی مفت سی کتاب پڑھنے کے قائل ہیں خیر ان کو آپ تبصرہ نگاروں کی فہرست میں ہی رکھئے۔ شیر محمد شیخ البتہ اچھے قاری ہیں...... کوئی دوست تقریب کی بات کرے تو اس سے نقد رقم لے کر اپنی سچ مُچ کی کتاب یعنے پشتو مجموعۂ کلام کی اشاعت والے ''صندوق'' میں ڈال دیں لیکن خدارا اپنے کلام کا انتخاب کسی شیفتہ، ٹائپ نقاد سے کروالینا تا کہ غالب

کی طرح اُترانے لگیں ورنہ پشتو دیوان بھی ''دیوان خانہ'' محسوس ہوگا۔

غالب بفن گفتگو ناز د بریں ارزش کہ او

نہ نوشت در دیوان غزل تا مصطفےٰ خان خوش نہ کرو

للہ عارفہ کی پروف ریڈنگ بقول علّامہ، ہم نے نوک مژگاں سے کی تھی لیکن اس کی اشاعت میں حالات کی وجہ سے تاخیر ہوگئی خیر البتہ وہ جو کشمیری کلچر پر کتاب مرتب کرنے کا ارماں تھا۔ وہ پورا نہ ہوسکا Idea یہ تھا کہ تاریخ (جو ہمیشہ روایتی حکمرانوں کی کھتونی ہوتی ہے) لوک روایات۔ اور mythology کے کچھ دھندلکوں سے تال میل اور ٹکراؤ کا سائنسی تجزیہ۔ جہاں تک جذبات (ادب) کے وسیلے سے ممکن ہے اس طرح کیا جائے کہ ایک تسلسل نظر آئے۔ ماضی اور حال کا اب یہ کام اسلام آباد میں تو ہوسکتا تھا مگر کراچی میں نہیں کرسکتا۔

ولی نگری کو بالکل منہ نہ لگائیں۔ وہ فوراً گھر جا کر بیوی کے منہ لگتا ہے۔

دن کے گیارہ بجے اور عاشقی میں...... جلوۂ کثرتِ اولاد کا اندیشہ رہتا ہے۔

فخر اصل میں والدہ کی بے وقت جُدائی سے اتنا نڈھال ہے کہ مجھ کو اس کے ''معمولات'' کی بھی تشویش رہنے لگی ہے کیا کیجئے۔

''نانک دکھیا سب سنسار'' تو ہے ہی لیکن کچھ دُکھ عمر بھر کا روگ بن جاتے ہیں مگر...... فراقؔ صاحب کی جوانی ایک شعر بہت طمانیت بخشتا ہے۔

اے لسا کنانِ دہر، یہ کیا اضطراب ہے

اتنا کہاں خراب، جہانِ خراب ہے

لطیفہ: جناب پیارے محمد دوست درانا فضل نے ... کر فرمائشی مُطالبہ کیا

کہ آپ احمد ظفر کی فرمائش پر اگر پنجابی زبان میں ان کا خاکہ لکھ سکتے ہیں تو سیف الملوک کی طرز پر گوجری کی ایک فرمائشی نظم کیوں نہیں لکھ سکتے۔ سو پچھلے ایک ماہ سے اس فکر میں بھی زیادہ بیمار ہو رہا ہوں۔

دمہ بہت شدید ہے۔ اُٹھنا بیٹھنا تو کیا۔ سونے بھی نہیں دیتا۔ بہر حال حاجی صاحب کی فرمائشی نظم ہوگئی۔ اب فرما رہے ہیں اس کا گُجری شاعری میں جواب ہی نہیں، لہٰذا جواب بھی خود ہی لکھو۔ یہ ایک خط یا مکالمہ ہے۔

کاش! آپ نے مجھ کو پشتو سکھائی ہوتی۔ بوڑھے طوطے کی طرح کم از کم ایک قطع تو لکھ ہی لیتا...... پشتو میں۔

ہاں فاروقی صاحب سے کہنا کہ طاؤس نے ایک گوجری نظم میں آپ کا قابل اعتراض انداز میں تذکرہ کیا ہے یہ لکھ کر کشمیری یوسف کو دامن پیراہن نئِں لکھنو یعنی فاروقی صاحب کے آگے پیچھے کے چاک چھپنے والے نہیں ہیں۔

احباب کو سلام اور پچاسویں مبارک -

طاؤس

۵ر اگست ۱۹۹۷ء

☆

۶

شاذمہ حلیم کہہ رہی تھیں، شفق صاحب بیٹھے ہیں۔ میں سنی مسلمان، سنی سنائی پر یقین کر کے بیٹھ گیا اور ؎

اُٹھے جو تیری بزم سے ہم صورت دیوار
رخصت بھی تو جوں سایۂ دیوار ہوئے ہیں
(شاہد یوسف ظفر مرحوم)

رسول طاؤس

۱۲/۱اکتوبر۱۹۹۸ء

۷

خواہش کے لئے ہمّت چاہئے ہم میں تو اب صرف ہوس باقی ہے اور وہ بھی فقط آنکھوں کی حد تک۔

ہم آج صُبح محض درشن دینے آئے تھے۔ منظور صادقؔ کو شامِ غم ان دنوں گھر میں ہی گزرتی ہے۔ کل 58ویں سالگرہ تھی، تنہا گاتے رہے۔

طاؤس

۱۹/نومبر۱۹۹۱ء

طاوس بانہالی۔ ادیبوں کی نظر میں

''طاوس سے جو شیخ نورالدین کے کلام کا اتنا خوبصورت، منظوم ترجمہ ہوا ہے تو میں اپنی جگہ سوچتا ہوں مجھے جل دے گیا ہے۔ سارے کام میرے ساتھ مل کر گر گئے لیکن یہ کام آ کیلے کر گیا۔ پھر میرا خیال آتا ہے۔ صلیب میں اشتراک نہیں ہوسکتا ہے۔ ایک آدمی کے لئے اپنا ہی طلب کافی ہے۔

احمد شمیم۔ اجنبی موسم میں ابابیل، روزنامہ تعمیر راولپنڈی ۱۹۸۲ء

طاوس بانہالی کی ادبی خدمات۔ گلشن آرا۔

برصغیر ایشا کے نقشے پر نظر ڈالیے تو جموں وکشمیر کی ریاست تو کوہ ہمالہ کی گلو معلوم ہوتی ہے۔ اس کی برف پوش چوٹیاں۔ پھولوں سے مہکتی وادیاں۔ گنگناتے ہوئے جھرنے۔ شفاف ومہر بلب جھیلیں۔ خوش رنگ آبی پرندوں کی اُڑانیں اور تند روندیاں فطرت کی وہ عریانی تصویریں ہیں جن میں انسانی آنکھ کی پُتلی ساکت ہو کر رہ جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ یہاں ہزاروں برس

پر محیط ہر تاریخ کے ہر دور میں انسانوں کا ایک ایسا سلسلہ نظر آتا ہے جو ایک ہی مسلک کا حامی نظر آتا ہے۔ کتنی ایسی صورتیں ہیں جو اپنے اپنے عہد کے تفاخروں کا مطابق عمل پیرا ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو مہا پرش تھے۔ جو وشنو کی و حدانیت کا پرچار کرتے تھے اور رشی مُنی تھے تو رام بن نگر اور امر ناتھ کی چوٹیوں پر کٹیا میں بنا کر ہر پربھو پر پھولوں کی مالا پہنتے تھے۔ اُن کے منہ سے نثر کی بجائے شعر نکلا کرتے تھے اور شعر وہ جامع کلمہ ہے جو سید ھا دِل میں اُتر جاتا ہے۔ طاوس کی شاعری میں اپنے محبوب کا رنگ نمایاں ہے۔

جو بانہالی سے لائی وہ کون ستیا تھی

ہے کون شہر اب اپنا رام بن ہو گا

(گلشن آرا، طاوس بانہالی کی ادبی خدمات) ۱۲۴

طاوس بانہالی ایک رومان پسند شاعر ہے لیکن اس کی ردمانیت میں دکھ کا پہلو ہمیشہ گہرا ہوتا ہے۔ طاوس اردو میں بھی شعر کہتا ہے (کشمیر ادب وثقافت سلیم خان گمی)۔

للہ عارفہ کے ۲۵۸ دوہے جن میں ۱۳۵ پہلے ہی ترجمہ ہوئے ہیں اور اسے زاید کا ترجمہ طاوس نے کیا (کشمیری سے اردو میں)۔

طاوس ایک چالاک آدمی ہے۔ وہ زندگی کی آکاش بیل سے بچ نکلا ہے۔ وہ سچ کو پا چکا ہے اظہار نہیں کرتا وہ لوگوں کی کتابیں خرید کر دیتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ کتابیں واپس نہیں ملیں گی۔ وہ یہی بہترین کتابیں مجھ جیسے جعلی

لوگوں میں بھی تقسیم کر دیتا ہے۔ اس کا منشا صرف یہ ہے کہ لوگوں کی آنکھوں کھلی رہی۔ جو میں دیکھ چکا ہوں سب کے علم میں آ جائے۔

(ڈاکٹر غلام حسین اظہر۔ طاوس بانہالی۔ روزنامہ مشرق ۴ دسمبر ۱۹۸۶ء)۔

''طاوس کے خیال میں جس سے محبت ہو اُس سے شادی نہیں کرنی چاہئے۔ کیونکہ اِس سے پاکیزہ جذبے کی توہین ہوتی ہے۔ طاوس کی شاعری میں اپنے وطن اور اپنے محبت کا رنگ نمایاں۔

(رانا فضل حسین، طاوس بانہالی۔ روزنامہ...... وقت ۱۶/ مارچ ۱۹۸۰ء)۔

''طاوس نے اپنے اندر ساری دلکشی ورعنائی اور پوری مجبوری سے بے بسی کو جذب کیا ہے۔ اور جس بن باس اور گیان وھیان میں نورالدین ریشیؒ نے بارہ سال کاٹے تھے۔ طاوس نے اس تپسیا اور بن باس میں تیس سال بسر کئے ہیں اور اِس نے یہ بارہ برس یوں ہی نہیں گزارے۔ وہ اِس آگ میں جل کر کندن بن چکا ہے۔

''طاوس مجھے اس لئے اچھا لگتا ہے کہ وہ نہ شہرت پسند ہے اور نہ جاہ وطلب کا مریض ہے۔ نہ عیار مغرور ہے نہ کج رفتار نہ زاہد ریا کار ہے۔ نہ طالع آزما دنیدار نہ عقلت شعار ہے۔ دین دار نہ ہزار گفتار چونکہ فی الوقت انسان کم ملتے ہیں۔ مجھے طاوس سے مل کر وہی خوش ہوتی ہے۔ جو ایک انسان سے مل کر مگر ہونی چاہئے۔ مجھے طاوس بابا کشمیری ویشوں کا خلف صادق لگتا

ہے۔ جس کا مذہب انسان دوستی جس کی عبادت خدمت خلق جس کا پیشہ شجر کاری جس کا اوڑھنا ترک دنیا اور جس کا بچھونا سب کے ساتھ بے غرض معاشرت تھا۔ (صابر آفاقی ۲۰؍دسمبر ۱۹۸۸ء) گلشن آرا۔

طاوس کا قلمی نام اِس کی شخصیت کی کلید ہے بانہال کی سرزمین کی مہک اس کی شخصیت میں اس طرح سے رچی بسی ہے جیسے پھول میں خوشبو۔ بانہال مختلف تہذیبوں اور تمدنون کا قطعہ اتصال رہا ہے۔ یہاں جموں اور صوبہ کشمیر کی تہذیب گلے ملتی ہے اور ایک نئی صورت میں ڈھلتی دکھائی دیتی ہے۔ یہاں چناب کی طوفانی لہروں کے ساتھ میلوں تک پھیلا ہوا سلسلہ کوہ اور سرسبز وشاداب چراگاہیں بھی ہیں۔ جہاں دور دور سے لوگ اپنے ریوڑ لیکر پہنچ جاتے ہیں۔ یہاں کا خوشگور موسم اور دل رُبا مناظر کشمیر کے حسن و جمال سے کسی طور پر کم نہیں۔ فرق یہ ہے کہ کشمیر کی فضا میں خوابیدگی ہے اور یہاں خوابیدگی کی بجائے بیداری نمایاں ہے۔ یہی مردانگی۔ وقت ونزاکت کی رنگارنگی طاوس بانہالی کی شخصیت کا نمایاں جوہر ہے۔

(ڈاکٹر غلام حسین اظہر ''طاوس بانہالی''
روزنامہ مشرق ۴؍جنوری ۱۹۸۶ء)۔

طاوس بانہالی اردو کشمیری اور گوجری زبانوں کے قادرالکلام شاعر تھے۔ گوجری کے علاوہ پہاڑی، ڈوگری اور ہندکو زبانیں رانا فصل حسین سے باقاعدہ سیکھیں۔ کشمیری زبان میں احمد شمیم اور ڈاکٹر صابر آفاقی کے بقول

طاوس عصرِ حاضر کا سب سے بڑا نام ہے۔ اردو، فارسی، انگریزی، پنجابی اور گوجری لٹریچر پر طاوس کی گہری نظر تھی اور یہ زبانیں اس طرح بولتے کہ یہ ان کی مادری زبانیں ہیں۔ آپ کو ان زبانوں کے ادب کلچر تاریخ وجغرافیہ کا گہرا ادراق تھا۔ بابا فریدالدین گنج شکر سے لیکر گورونانک اور میاں محمد بخش تک پنجابی زبان کے تمام صوفی شعراء کا کلام ہمیشہ آپ کے زیر مطالعہ رہتا۔ امیرِ خسرو، ولی دکنی، ملاوجہی، میر تقی میر سے لیکر علامہ اقبال اور فیض احمد فیض کی شاعری اور شخصیتوں پر انہیں پوری دسترس حاصل تھی۔ آپ فارسی کے عالم تھے نامور شعراء کے منتخب اشعار انہیں از بر تھے اور اپنی خوبصورت گفتگو میں برمحل اشعار استعمال کرنے کا ملکہ حاصل تھا۔

(غریب دالدیار طاوس۔ رانا فضل حسین)[1]

[1] رسول طاوس بانہالی کی ادبی خدمات۔ سعدیہ ثروت۔ ماہنامہ اخبار اردو اسلام آباد ص ۱۴۸

طاؤس بانہالی

غلام رسول طاؤس بانہالی۔ فلک بوس برفانی پہاڑوں میں گھیرے قصبے بانہال کشمیر میں ۲۸ نومبر ۱۹۳۳ء کو پیدا ہوئے۔ ۱۹۶۱ء میں اندیو پاکستان کے شعبہ کشمیری کے ساتھ وابستہ ہونے کے بعد آپ نے ۱۹۶۳ء میں اردو میں ایم اے کی ڈگری لی۔ طاؤس بھی کشمیر سے ہجرت کر کے پاکستان چلے گئے اور آج کل وہیں رہائش پذیر ہیں۔ کشمیری زبان کے جن چند شعراء نے آزاد کشمیر اور پاکستان میں اپنی مادری زبان کا نام زندہ رکھا ہے طاؤس بانہالی کا نام ان میں ایک اعلیٰ مقام رکھتا ہے۔ طاؤس نے شیخ العالمؒ شیخ نورالدین نورانیؒ کے کلام کا منظوم اور ترجمہ کرنے کے علاوہ جے ہنٹن نولز کی انگریزی میں تحریر کردہ کشمیری لوک کہانیوں کا بھی ترجمہ کیا ہے۔ یہ مطبوعات پاکستان کے لوک ورثہ نامی ثقافتی ادارے نے اہتمام کے ساتھ شائع کی ہیں۔

(خیابان کشمیری۔ مرتبہ غلام نبی خیال۔ زیر اہتمام جموں و کشمیر کلچرل اکادمی صف ۱۲۷)

غلام رسول طاؤس بانہالی

فاروق نازکی

والدِ محترم پیر غلام رسول نازکی نے علامہ اقبال کی کئی تصانیف کو اپنے دلپذیر خط میں، اقبال کے تئیں عقیدت کا اظہار کرنے کے لئے قلمبند کیا ہے انہوں نے علامہ اقبال کے یومِ پیدائش پر بانگ درا کا ایک نسخہ تیار کر کے علامہ کو ارسال کیا تھا۔ جس کی رسید ایک پوسٹ کارڈ کے ذریع علامہ نے بقلم خود ارسال کی تھی۔ ۱۹۴۸ء میں بانڈی پورہ سے نقل مکانی میں کئی اہم ادب پارے مشاہیر کے خطوط وغیرہ دست بردِ زمانہ کی مار نہ سہہ سکے، کچھ کھو گئے کچھ دیمک کی نذر ہو گئے۔ یا احباب نے اپنے پاس محفوظ رکھے۔

حال ہی میں مجھے اپنے بے ترتیب کتب خانے میں والدِ مرحوم کے ہاتھوں نقل کی ہوئی، علامہ مرحوم کی مثنوی پس چہ باید کرد۔ اور ''مسافر'' دستیاب ہوئیں۔ یہ کتاب والد نے اندور، مدھیہ پردیش میں اپنے قیام کے دوران ۱۹۵۹ء میں فرحت کے لمحات میں کسی نسخے سے نقل کی تھی۔ میں اس قلمی نسخے کی ورق گردانی کر رہا تھا۔ کتاب ختم ہونے کی عبارت یوں ہے۔

تمت الکتاب لعون اللہ الملک الوھاب۔

بید فقیر میر غلام رسول نازکی غفر اللہ۔ بروز یکشنبہ ۲۲ / ماہ نومبر ۱۹۵۹ء مطابق

۲۰ ؍ جمادالاول ۱۳۷۹ھ بوقتِ ساعتِ ہفت ہنگام حج درشیر اندور مالوہ بپایاں رسید۔ الحمداللہ"۔

اس کے بعد بیاض کے ایک صفحے پر غالب کی مشہور نعت ۔

حق جلوہ گر زِ بحر زبیان محمد است

آرے کلام حق بزبان محمد است

دوسرے صفحے پر ناز کی صاحب کی ایک غزل شامل ہے جس کا مطلع ہے۔

میری نگاہ سے ہے اعتبار لالہ

وگل

مرا فراق ہے پروردگار لالہ وگل

اسی صفحے پر والد صاحب نے مرحوم ومغفور غلام رسول طاؤس بانہالی کی ایک دلپذیر اور دلنشین غزل نقل کی ہے۔ طاؤس وہ تھے۔

ایک غ،م طاؤس۔ جو والد کے قریبی دوستوں میں ہی نہیں بلکہ اُن حلقہ ارادت میں بھی تھے۔ طاؤس بانہالی کے بارے میں، جب بھی میں نے ذکر کیا تو والد نے نہایت محبت سے اُن کا نام لیا۔ وہ کہتے تھے کہ زبان کی لطافت، محاورے کی چاشنی اور بے ساختگی اس کے کلام کے تین اہم ستون ہیں۔ انہوں نے ان کا کلام علی محمد کنول اور غلام علی بُلبُل کے ذریعے منگایا تھا۔ جواب میرے پس نہیں ہے۔ طاؤس بانہالی اور والد کی کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ میں تبرکاً طاؤس صاحب کی وہ غزل ارسال کرر ہاہوں جو والد نے اپنے ہاتھ سے مثنوی پس چہ باید کرد "اے اقوام شرق" کی بیاض کے حصے میں درج فرمائی ہے۔

وندِ ژۄل سونتھ آو پھٲلِ پوشہِ چمنٕز   چھم کوسمٕز کراو
برجستہٕ پھُلیاہ اُلچہِ بادٕمنٕز   چھم کوسمٕز کراو
بلبُل پوشہِ نول ڈیشِت برمنٕز   پوشن ہُند پاراو
گُل انارس بوش چھُنہٕ ہمنٕز   چھم کوسمٕز کراو
تاپہٕ ستی مأر مُندی پوش ماژمنٕز   بلبُل کأمی گرِ گراو
پوشن بتھِ پھول سُلہ سمنٕز   چھم کوسمٕز کراو

فاروق نازکی

☆

تخت طاؤس پر بیٹھا سخنور

اس کی لفظیات مہجور سے مختلف، رسول میر سے کوسوں دور، حبہ خاتون اور محمود گامی سے بالکل جُداگانہ ہے۔ اس کی لفظیات اس کی شاعری کا وہ زیور ہے جو اُس کے ہر شعری پیکر کی آرایش کا ضامن ہے۔ وہ کشمیری زبان کی خارجی اور صوتیائی حُسن کا واحد اور منفرد انداز کا تخلیق کار ہوتے ہوئے بھی اپنے اشعار کو لفظوں کی جادوگری سے پاک رکھنے میں یدِ طولیٰ رکھتا ہے اس کے یہاں جو شعری کردار ابھرتا ہے وہ خالص کشمیری ہے اس میں ایرانی سراپا نگاری کی خدوخال بہت کم نظر آتے ہیں۔ وہ اپنے محبوب کی آرایش لعل وگوہر جواہر وزر کے بجائے،

کشمیر کے ان گنت پھولوں سے کرتا ہے۔اس کا محبوب تخت نشین نہیں بلکہ مخملیں سبزے پر آلتی پالتی مار کر بیٹھا۔سماوار سے زعفرانی قہوے سے چکساں لیتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ وہ گریس کور کی طرح بے باک نہیں۔ وہ کرالہ کور کی طرح نوش لب کے سراپا سے ہمسری کا روادار نہیں۔ وہ کشمیری حسن و جمال کا مظہر اور پیکر خاکی ہے۔اس کا معشوق گوشت و پوست کا معشوق خالی مور نہیں۔البتہ وہ اپنے خوبصورت پھول ہیں کشمیر کے ابدی حُسن میں ہی ایک شان امتیازی رکھتا ہے۔
طاؤس بانہالی کی طبعزاد شاعری خالص رومانی ہے وہ حُسن فطرت کی پذیرائی ایسے ہی کرتا ہے جیسے کی وڑس ورتھ نے کی ہے۔اُس کا معشوق بھی وڑس ورتھ کی طرح کبھی پتھروں کی اوٹ میں گلاب کی طرح جھانکتا ہے اور کبھی بقول شاعر۔

شاخ گُل جھوم کے گلزار میں سیدھی جو ہوئی
کھینچ گیا آنکھ میں نقشہ تیری انگڑائی کا

فاروق نازکی

سرینگر ۲۰۱۱ء

☆

طاؤس بانہالی

ایک نظر میں

غلام نبی خیال

غلام رسول طاؤس بانہالی سے میرا غائبانہ رابطہ کم وبیش چالیس سال پر حاوی رہا۔ اس کے بعد میں جب ۱۹۸۶ء میں پہلی بار پاکستان گیا تو وہاں میرا قیام سرزمین کشمیر کے ایک مخلص اور دوست نواز دانشور اور صحافی خواجہ عبدالصمد وانی کی قیام گاہ واقع راولپنڈی میں رہا۔

وانی صاحب کا گھر اہلِ دانش اور اصحابہ بینش بالخصوص کشمیر کے اہلِ قلم احباب کی آماجگاہ تھا۔ وہیں پر طاؤس صاحب سے بالمُشافہ میری ملاقات ہوئی اور میں نے اس پہلی ہی ملاقات میں اُنہیں ایک بے باق، لااُبال، مست قلندر اور ابدی مسکراہٹوں میں لپٹے ہوئے شاعر کے روپ میں دیکھا۔

اس کے بعد جب بھی طاؤس سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے یہ بات شدت کے ساتھ محسوس کی کہ اُن کے گلاب کی طرح کھلے ہوئے چہرے کے پیچھے ایک ایسے قلم کار اور حساس شاعر کی تصویر جلوہ گر تھی جسے اپنے وطن سے دور ہونے کی بے حد کوفت ہے۔

کنج غربت میں یوں رہے طاؤس
دھڑکنوں سے وطن کی بات چلی

اپنی ناسازیٔ طبیعت کے باوجود طاوس نے جلاوطنی کے اس عالم میں بھی اپنا ادبی سفر جاری رکھا۔ انہوں نے حضرت شیخ نورالدین نورانیؒ کے اشلوکوں اور نولز کی مشہور انگریزی کتاب ''کشمیر کی لوک کہانیاں'' کا بھی اردو ترجمہ کیا۔

علامہ اقبال کی مشہور اسرارِ خودی کا جو منظوم کشمیری ترجمہ مرحوم غلام احمد ناز نے کیا تھا اور جسے اقبال اکادمی پاکستان نے ۱۹۶۹ء میں شایع کیا اُس کے پیش نامے میں بھی طاوس کو اپنے وطن سے بچھڑنے کا قرب ستاتا ہے اور وہ مہجور، رسول میر، آزاد اور ناز کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اقبال کا یہ شعر بھی ہموطنوں کو سناتے ہیں۔

ما کہ از قیدِ وطن بے گانہ ایم
چونگہ نورد دو چشمیم و یکیم

یہ پیش نامہ طاوس نے راولپنڈی میں ۹/اپریل ۱۹۶۹ء کو تحریر کیا۔ راولپنڈی ہی میں انہوں نے مجھے ایک تصویر عنایت کی جس میں اُن کے ساتھ مسعود کشفی ہیں۔ اس تصویر کی پُشت پر طاوس نے ایک شعر رقم کیا جو انہی سطور کے ساتھ مُنسک ہے۔

کنج غربت میں تو گیا طاوس
اور تیرے سخن کی بات چلی

☆

۷۔ حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

ڈاکٹر محمد زمان آزردہ

لوگ پرانی باتوں کو دہراتے ہیں اور اپنے محرک کا اس شعر سے اظہار تشکّر کرتے ہیں۔

غزل اُس نے چھیڑی مجھے ساز دینا
زرا عمرِ رفتہ کو آواز دینا

جناب منشور صاحب نے میرے دیرینہ دوست مرحوم طاوس بانہالی کا ذکر اِس طرح سے چھیڑا کہ مجھے وہ دن یاد آئے جب میں طاوس سے اور طاوس مجھ سے ملے تھے۔ چند ہی ملاقاتوں میں ایسا لگا کہ وہ اپنا نام رکھنے میں حق بجانب رہے ہیں۔ اُن کی صورت اور شباہت نہایت سادہ تھی۔ مگر اُس سادگی کی رنگینی پر طاوس کو آئینہ دکھاتی تھی۔ گردن ایک طرف کو جھکی ہوئی بال دائیں طرف سنوارے ہوئے، لبوں پر ایک ایسا تبسُم جس میں مسّرت اور تحیّر دونوں کا امتزاج پایا جاتا تھا۔ وہ زیادہ بولنے کے نہیں سُننے کے عادی تھے۔ پیشے سے براڈ کاسٹر اور غالباً اسی سبب سے اُن کی گفتگو میں ایک تنظیم کے ساتھ شرکت ادا اور حُسنِ عبارت مترشح تھی۔ طاوس اچھی اردو جانتے تھے اور اُن کے دماغ میں رچی بسی تھی گو کہ پنجابی اکثر بولنا پڑتی تھی کیونکہ

پنڈی (راولپنڈی) کا ماحول باوجود اردو کے پنجابی سے زیادہ متاثر تھا۔لیکن اُن کے دل کی دھڑکن میں کشمیر کے محبت کی بہ آوازِ بُلند سنائی دیتی تھی۔ دُنیا میں پڑھا لکھا ہونا ہی کافی نہیں بلکہ اپنے علم کو صحیح تناظر میں استعمال کرنا اور اچھی صحبت کی تلاش میں رہنا ایسے لوگوں کے لئے زیادہ ضروری ہوتا ہے۔ اللہ مغفرت کرے اُن کے دوستوں میں حکیم محمد امین (برادرِ حکیم منظور) اور احمد شمیم قابل ذکر ہیں۔ سید جاریہ صاحب جو اگر ادیب نہیں تھے مگر ادیب نواز اور کشمیری نواز ہونے کے ساتھ ساتھ ایک پرنٹر بھی تھے اور ابھی بقید حیات ہے۔ اب بھی جب اُن سے بات ہوتی ہے تو طاوس کی رنگین بیانی نرم گفتگو اور ادا کردہ کلمات کی معنی خیزی کا ضرور ذکر آتا ہے۔ راولپنڈی میں رہ کے کشمیری محاوروں کلام شیخ العالمؒ اور کلام للہٖ عارفہ کو موضوع بنانا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا مگر طاوس کے وصفِ کوہ کنی نے اس کو آسان بنادیا۔

مرحوم کے مجھ سے مراسم رہے۔ میری کتابوں پر اُنہوں نے تبصرے کہے اور دوسروں سے بھی کروایا۔ میرے بعض ایسیز (انشائیہ) انہوں نے اپنے ذاتی ذخیرہ کے لئے ریکارڈ کر کے رکھے۔ آج یہ چند سطریں لکھتے ہوئے مجھے میر کا یہ شعر یاد آتا ہے۔

وہ صورتیں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں
اب دیکھنے کے جن کو آنکھیں ترستیاں ہیں

محمد زمان آزردہ

۲۰ر ستمبر ۲۰۱۱ء

طاوس بانہالی بحیثیت اردو ترجمہ کار

رِشی نامہ

طاؤس بانہالی کا خاص کارنامہ کشمیری زبان کے دوسر برآورد، روحانی علمبردار، صوفی شُعرا للہ عارفہ (۱۳۳۵۔ ۱۴۰۰) اور حضرت شیخ العالمؒ (۱۳۷۷ء۔۱۴۳۸ء) کے کلام کا منظُوم اردُو ترجمہ ہے۔ یہ دونوں بزرگ ہستیاں جو قریب قریب ہم عصر رہی ہیں، کشمیری تہذیب وتمدن کی ایک لیجنڈ (Legend) کے طور پر تسلیم کی جاتی ہیں۔ للہ عارفہ اور حضرت شیخ دونوں کے کلام میں انسان دوستی، باہمی رواداری، تزکیہ نفس، باطنی تطہر اور اِنسانی فلاح کا ایک عالمگیر پیغام پایا جاتا ہے جس کی افادیت آج بھی چھ سوسال کا عرصہ گُزر جانے کے بعد بھی پوری آب وتاب کے ساتھ برقرار اور تروتازہ ہے، جسے ہر کوئی کشمیری بِلا امتیاز مذہب وملت پوری عقیدت سے اپنی آنکھوں کا سُرمہ اور روحانی تسکین کا موجب گردانتا ہے۔

طاؤس بانہالی کا پہلا ترجمہ حضرت شیخ العالمؒ کے شلوکوں کا منظوم اردُو ترجمہ ہے جسے آپ نے ''رِشی نامہ'' کے عنوان سے ترجمہ کیا ہے، جسے پاکستان کے لوک ورثہ نامی قومی ادارے نے ۱۹۸۰ء میں اہتمام کے ساتھ شائع کیا ہے[۱] حضرتِ شیخؒ بہ یک وقت ایک مبلغ دین، ایک شاعر، ایک عارف باکمال اور

---

[۱] بشکریہ قومی ادارہ لوک ورثا اسلام آباد پاکستان

پاک باطن تھے۔ آپ کی پہلو دار شخصیت کا اثر کشمیر کی تہذیب و تمدن پر اتنا گہرا ہے کہ اِس سے کسی بھی صورت میں اِنکار کی گنجایش موجود نہیں ہے اِسی لئے آپ کو علمدار کشمیر کے اعزاز سے بھی نوازا گیا ہے۔ حضرت شیخؒ کی شاعری کا منبع قرآن وسنت اور اسلامی تصوّف ہے۔ آپ کے کلام کو کشمیری شاعری میں وہی رُتبہ حاصل ہے جو فارسی زبان میں مولانا رومی کے کلام کو حاصل ہے۔ آپ ریشی سلسلہ کے ایک باوقار بزرگ ہیں، جن کے نظرِ عنایت سے بہت سے لوگ نُورِ ایمان سے منوّر ہوگئے۔ حضرتِ بابا داود خاکی کے مطابق آپ ریشیوں کے اویسی سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے اور آپ کے شاگردوُں کی تعداد تین سو ساٹھ بتائی جاتی ہے۔ آگے چل کر ریشیت پوری وادی میں ایک زوردار سماجی اور روحانی تحریک کی حیثیت اختیار کرتی ہوئی نظر آتی ہے کشمیری زبان وادب پر حضرت شیخؒ کے بہت بڑے احسانات ہیں، بقول پروفیسر رحمان راہی ''کشمیری زبان کی خوش بختی تھی کہ للہِ عارفہ کی طرح شیخ العالمؒ نے بھی اپنے تجربات اور فکر کے ابلاغ کیلئے اِس زبان کو استعمال کیا۔ اِس سے ایک کُھلا اور عام فائیدہ یہ ہوا کہ کشمیری زبان غیر معمولی اور اعلیٰ پایہ کے جذبات وخیالات کے اِظہار پر قادر ہوگئی۔ شیخ العالمؒ نے افراط وتفریط سے بچتے ہوئے مختلف زبانوں کے ذخیرہ الفاظ سے ایک متوازن انداز میں فائیدہ اٹھا کر کشمیری زبان کو فصیح وبلیغ بنانے کی ایک لایق تقلید مثال قایم کی ہے۔ کلام شیخ کی بدولت کشمیری زبان کی قوتِ بیان میں قابلِ قدر اضافہ ہوا ہے'' [1]

[1] خیابان کشمیر مرتبہ غلام نبی خیال ۱۹۹۸ء ص ۱۷

حضرتِ شیخ العالمؒ کا کلام منتشر صورت میں تھا جسے بعد میں مختلف ریشی ناموں، نور ناموں تذکروں اور تاریخی کُتب کی مدد سے جمع کیا گیا۔ ریاستی کلچرل اکاڈمی نے حضرت شیخ العالمؒ کے کلام کے تقریباً پانچ ایڈیشن آج تک شائع کئے ہیں۔ جن میں پہلے دو ایڈیشن جناب محمد امین کامل صاحب نے ''نور نامہ'' کے عنوان سے ترتیب دئے اور اِس کے بعد علمدار کشمیر کی شش صد سالہ تقریب کے سلسلے میں اِس کام کو اور بھی آگے بڑھایا گیا۔ ۱۹۷۹ء میں کُلیات شیخ العالمؒ کا اور ایک شمارہ جاری کیا گیا جو اَنجہانی موتی لال ساقی نے ترتیب دیا جنہوں نے مختلف ریشی ناموں، قلمی نسخوں اور مخطوطات کا بغور جایزہ لینے کے بعد اِس کام کو انجام دیا اُنہوں نے کامل صاحب کے ترتیب دئے ہوئے نور ناموں سے بھی استفادہ کیا اور کلیات کو دوحصوں میں شایع کیا۔ ۱۹۸۵ء میں کلیات کا دُوسرا ایڈیشن دونوں حصوں کو اکٹھا کر کے شایع کیا گیا کشمیر یونیورسٹی کے کشمیری شعبہ کے نصاب کی ضرورت کے پیش نظر ۲۰۰۰ء میں اِسے تیسری بار کُچھ خوشگوار تبدیلیوں کے ساتھ پھر سے شایع کیا گیا۔ زیر بحث کلیات میں حضرتِ شیخ کے کلام کے تقریباً ۴۳۴ / اشلوک اور ۳۴ کے قریب، منظومات شامِل ہیں۔ اِس کُلیات کے پیش لفظ میں ''نظر ثانی'' عنوان کے تحت موتی لال ساقی اِس کی ترتیب اور اہمیت کے حوالے سے اپنی طمانیت کا یوں اِظہار کرتے ہیں ''جس خلوص ومحبت کے ساتھ تمام کشمیریوں نے اِس کتاب کو اپنی آنکھوں پر بٹھایا وہ میرے لئے بڑا معاوضہ ہے اور مجھے اِس بات کا اعتراف ہے کہ اِس میں حضرت علمدار کی تاریخ ساز شخصیت کا

اعجاز شامل ہے''۔آگے چل کر مزید لکھتے ہیں۔''کلیات شیخ العالمؒ سرحد کے اُس پار بھی پہنچ گیا جہاں کشمیری زبان کے قارئین نے اِسے آنکھوں پر بٹھایا اِس کتاب کو طاؤس بانہالی صاحب نے حضرت شیخ کا کلام اور اُس کے ترجمہ کو شائع کیا۔البتہ تعجب کی بات ہے کہ اُنہوں نے کسی بھی جگہ کلیات کے مرتب کا تذکرہ نہیں کیا بلکہ یہاں تک کہ اُنہوں نے راقم کے کلیات کے مرتب کردہ پہلے دو حصے براہ راست اپنی کتاب کے پیش لفظ میں شامل کر لئے اور کلیات شیخ العالمؒ کے مرتب کہہ کر بات ختم کردی۔''[۱] حال ہی میں ۲۰۰۸ء میں اسداللہ آفاقی نے کُلیات شیخ العالمؒ کو مزید اضافوں کے ساتھ ترتیب دیا ہے جس میں حضرت شیخؒ کے ساڑھے چھ سو کے قریب اشلوک کے علاوہ منظومات شامل ہیں اور یہ حضرت شیخؒ کے کلام کا آج تک کا ایک جامع کُلیات ہے۔

طاؤس بانہالی نے ریشی نامہ'' کے عنوان سے حضرت شیخ العالمؒ کے تقریباً ۲۱۶/اشلوک کا منظوم اردُو ترجمہ کیا ہے۔آپ نے ایک نیم کشمیری ماحول میں رہ کر جس تن دہی اور محنت سے ترجمہ کر کے اردُو دان طبقہ اور کشمیری زبان کے قارئین کو حضرت شیخ کے عارفانہ کلام سے سرشار اور مُستفید کرنے کی کوشش کی ہے اُس کیلئے آپ مبارک کے مستحق ہیں۔ترجمہ سے پہلے طاؤس بانہالی نے''پہلی بات'' کے عنوان سے حضرت شیخ نورالدین ریشیؒ کی حیات مُبارکہ اور رُوحانی کمالات سے متعلق ایک مبسوط تعارف نامہ سُپردِ قلم کیا ہے۔آپ نے حضرت شیخ کے زاد وبوم، آپ کے تولد سے متعلق کھی پورہ کے ایک برہمن کی پیش گوئی اور چشمے میں پھول کھلنے کا واقعہ۔آپ کے اسلاف کی کشتواڑ سے آمد۔آپ کے والد

سلر سنز کا یا سمن ریشی یا حضرت سید حسین سمنانیؒ کے ہاتھوں مشرف بہ اسلام ہونا اور شیخ سالار دین نام پانا آپ کے تولد کے بعد آپ کا دُودھ نہ پینا اور للہ عارفہ کا آپ کو گود میں لیکر دُودھ پلانا۔ آپ کے سوتیلے بھائیوں کا حضرت شیخ کو چوری کرنے پر آمادہ کرنا اور آپ کا اُنہیں اس کام سے روکنا اور کتوں کے بھونکنے کی آواز کا مطلب سمجھانا (جیسا کروگے ویسا پاؤگے) وغیرہ۔ آپؒ کا ازدواجی رشتے میں منسلک ہوجانا اور پھر بیوی اور بچوں کو چھوڑ کر غار نشین ہوجانا۔ اپنی ماں اور بیوی کے اصرار کے باوجود بھی واپس گھر نہ لوٹنا اور ریاضت میں مشغول رہنا۔ غیر مسلموں کا آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہوجانا۔ بادشاہ وقت کا آپ کے نام پر سکہ جاری کرنا جیسے واقعات باتفصیل بیان کئے گئے ہیں جس سے آپ کے غائر مطالعہ اور شستہ اسلوبِ نقد ونظر کی اعتباریت کا اندازہ ہوجاتا ہے۔ اِس کے بعد آپ نے اُن ماخذوں کا بھی ایک تعارفی تذکرہ کیا ہے جن کی مدد سے کلام شیخ العالمؒ کو مدّون کیا گیا ہے اِن میں تاریخ کشمیر سید علی۔ ریشی نامہ حضرت بابا داود خاکیؒ، بہارستان شاہی، نور نامہ بابا نصیب الدینؒ، اسرار لابرار مصنفہ بابا داود مشکواتی، خوارکُ السالکین، واقعات کشمیر، فتوحاتِ کبر یہ، منتخب التواریخ، باغ سلیمان از میر سعید اللہ، تاریخ حسن، نور نامہ بابا کمال الدین اور گوہر عالم وغیرہ جیسے مطبوعات کا حوالہ شامل ہے جو آپ کی دقّتِ نظری کی تائید کرتے ہیں۔ طاؤس بانہالی کے مذکورہ بالا ترجمے سے کچھ مُنتخب نمونوں کو قارئین کے پیش مطالعہ رکھا جاتا ہے تاکہ آپ کی کشمیری ادب شناسی اور اردُو ترجمہ کے اسلوب و محاسن کو سمجھنے میں مدد مل سکے۔

انتخاب منظوم ترجمہ رِشی نامہ
اشلوک کی شروعات حروف تہجی کی ترتیب سے

(ا)

اَوِل سُوئے آخر سُوئے	ایک ہے لہر ازل سے ابد تک
نَد بَل وٲتھ مَل کاسِیو	اِس گھاٹ اُترو غُسل کرو
دَس گُل گنڈتھ تَس گُن آسیو	باندھو ہاتھ دُعائیں مانگو
دیَو گُنہِ دوزخنہِ نارَہ لَسیوِ	شاید آگ سے بچ نِکلو

اللہ پرَنَس دورَا پھرِ زِ ے	دُنیا سے مت منت چاہو
زَ گیتج لادَن سٲرِ زِہ نہ زاہنہٕ	وِرد اللہ کا کرتے رہو
یادس تِہنٛدس دوہ دۄن برٔ زِ ے	دِن رات اُس کی یاد میں گُم ہو
زِندے آستھ مَرِ زِہ نہ زاہنہٕ	زندہ رہو تو ایسے رہو

اَکُے خُدا ناو چھُس لچھاہ — لاکھوں نام اور ایک ہے داتا
ذِکرے روس اکھ کچھاہ مَو — ذکر سے خالی نہیں تِنکا
عُمر ویندن اکُے پچھاہ — عُمر کا چاند ایک پندر ھواڑہ
رِزقہ روس اکھ مُچھاہ مَو — رِزق تو مچھر کو بھی مِلا

اِکھاہ ڈِیُو ٹھم بہت تختَس — عقل کے اندھے ایک نکمے شخص کو تخت نشیں دیکھا
اکھ نہ تس بودھ تےَ بِیہ نہِ تس کار — اُس کم عقل کا تو شک ہی اب کیا کہئے کیسا زیرک تھا
تُرکھاہ تہہ کراں تہندس رختس — رخت کو تہہ کرنے والے زیرک کو دیکھ کے کہنا پڑا
بختس بودَھ چھے خدمت گار — علم تو چاکر ہے دولت کا عقل سے بیشک بخت بڑا

اوناہ پالکہِ اور دِتھ نکھ تَس — ایک تماشا یہ بھی دیکھا پالکی میں ایک اندھا جائے
اکھ نہ تس ژ ینَس تختہ سپار — اور اِک چشم بصیرت والا اس اندھے کو پھرے اُٹھائے
عاَلماہ حیران کا مُنہِ ہا کھ تس — کرے سواری ایک سپارہ یاد نہیں جس اندھے کو
بختس بودَھ چھے خدمت گار — اور عالم حیران و پریشاں بھات کو ترسے ساگ نہ پائے
علم تو چاکر ہے قسمت کا عقل سے بیشک بخت بڑا

اَکھ نے مَرے تہٕ اکھ نے زِیٖئے
تنگ گژھہِ عالم وَیٖژہ موریٖئے
اکھ نے گژھِ تےَ اکھ نے ییٖئے
چرخ گژھِ بند تے کُس کیاہ کھیٖئے

جاری اگر نہ رہنے پائے موت اور پیدائش کا عمل
لوگ بھی جینے سے تنگ آئیں اور زمین ہوائن پر تنگ
آنے جانے کے چکر میں گر پڑ جائے کوئی خلل
چیونٹی بھی نہ جہاں میں سمائے اور زمیں ہو جائے سنگ

آیاس سوداکرہ یتھ دارس
وَتہِ لوُکس بازارس کیٖتھ
وُچھتہِ کیٖتھ ژجم پوٗنژہٕ کارس
کیا زِ یوٗنُم سمسارس زیٖتھ

میں اپنے گھر سے اس گھر میں کیا طے کر کے آیا تھا
جان سی جنس گراں لے کر میں کس بازار میں جا نکلا
کتنی بڑی نادانی تھی یہ خود کو میں دانا سمجھا
سوچتا ہوں اس جگ میں آ کر کون ایسا جگ جیت لیا

آدنہ کرتھ پاپن کرٛشی
بُڈتھ دِیوتُھ رِشی ناو
تسبیح گئی گُنس هشی
یہ چان نمازِ کشی ہاو

عہدِ جوانی میں جی بھر کے پاپ کمائے
اور بڑھاپے میں آ کر ریشی کہلائے
یہ تسبیح تمہارے ہاتھ میں ناگن ہے
اور نماز تمہاری بھلا کس کھاتے جائے

آس تہِ سئیو دوی گژھ تہِ سیوددی
سیدِس ہول مےٚ کریم کیات
بوٚتَس گیاس تستی دیودوٗی
دُدِس تہ وئِدس کرئیم کیات

میں انساں ہوں ایک ڈگر پر ہے میرا آنا جانا
راستی پر ہوں کج روشیطان کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتا
میری اُس کی شناسائی تو ازل سے ہے وہ جانتا ہے
اب میں نرا واقف ہی نہیں ہوں میں ہشیار ہوں چوکنا

(ب)

بوٗ پأری کانگرِ تہ جندس
تیمی وندس گرم رٔاچھ
بہو تہ بہو مَژ نعمژ وندس
نوٗن تہ سدٔر کأنزِ چھم یڈٔ اڑاچھ
بوٗ کیاہ مگٔے قلا قندس
ہند تہ ہاکھ چھم چھوتوٗی مانچھ
بھگہِ مُہراہ ژھنتم وندس
دِیو بندس گژھنیم شرمہ رٔاچھ

بر فیلے جاڑے میں میری جان بچالیں پالے سے
رکھوالے میرے یہ کانگڑی اور خرقے پیوند لگے
دھرتی کی ہر نعمت واروں اپنے لون اور سر کے پر
یہی نمک اور سرکہ میری لاج رکھے اور پیٹ بھرے
مجھ کو کسی میٹھی شے سے کیا جانے قلا قند میری بلا
یہ کاہو اور ساگ تو مجھ کو چٹے شہد کے ہیں چھتے
دَیا مجھ پر دیا ہو داتا میرے دل پر ایک نظر
شاید تیری نگاہِ کرم سے اس عاجز کی لاج رہے

بندو موماز دَنن تہ دیارن
خوے تھاو ژورن یارن ستۍ
تتہِ ہونمازہ پژھے مارن

دَھن دولت سے اتنی رغبت ٹھیک نہیں اے دُنیا دار
ایسی روش اپنا لے تجھ کو ہو یارانِ نبیؐ سے پیار
جس منزل پر ہیبت طاری ہوگی کانپ اٹھیں گے لوگ

یَتہِ دیاں لگہِ بُتھ ہایتھ
کٹھ راین مرآس کٹھ شہارن
تتھ ہیُو سنگین رُوزٔ نہ یتی
راج کوٗر سکندرِ تاجدارن
تَس تہِ رأنم وَژھی نہ ستی
دِل دِتھ ژھانڈ دِہ نیلہ مزارن
آسہِ برونٹھ اَسہِ ہیوٗ گامت کأتی

اُس منزل پر بخشے جائیں گے تو فقط نماز گزار
راجاؤں کے اُونچے بُرج فصیلیں اور سنگین شہر
خاک ہوئے اب حاکم باقی اور نہ اُن کے راج نگر
شاہ سکندر جیسے مہاراجے آئے اور راج کیا
سوچو تو ان سمراٹوں نے کیا کچھ اپنے ساتھ لیا
اس ہریالی کے نیچے اک فرش ہے قبرستانوں کا
ہم سے پہلے ہم جیسے کتنے ہی لوگ گئے بابا

بُوچھس اَکُے ستی گوژھوم یار
یارس ستی دمہ دمہ پکہ
یار نَے ڈیشن گُل چھُم خار
یَتہِ میون یار تَتہِ میون مکہ

میں ہوں مسافر مجھ کو طلب ہے دوست کو اور میں تنہا
اُس کو شریک سفر بھی چاہوں جو مقصود ہے میرا
جب اُس کا دیدار نہ ہو تو پھول بھی مجھ کو کانٹے
میرا دوست جہاں بھی ہوگا وہی ہے میرا مکہ

بُمہ نصر تہ بابہ زینو
لطیف ، رنبہ وونُے چھُس
خُدائے دِژام تیر تھا سومبرن
یم میأنی بو یہنٛدُ وی چھُس

تین تو بام الدین نصر الدین بابا زین الدین ہوئے
چوتھے لطیف الدین، یہ چاروں ہی تابندہ ستارے ہیں
اِن کو یکجا کرنے کی توفیق ازل سے دویعت تھی
میں ان لوگوں کا ہوں اور یہ چاروں میرے پیارے ہیں

(پ)

پوز دپاں پَن زن نٹکھ — سچ بولو توتھرتھر کانپو
اَپزُ دپاں لگی رَس — جھوٹ مزے لے کر بولو
محمد ٹراوتھ ابلیس رَٹکھ — چھوڑ نبیؐ ابلیس کے ہولو
خُدائے دیو توی کھٹکھ کس — دیکھ رہا ہے رب سے ڈرو

پاَری پاَری لگوزے تَس پیغمبرس — قربان اس پیغمبر حق کے
یہندس دورس رحمت چھ جاری — جوکہلائے رسولِؐ رحمت
کاَلی ییٚلہِ ہکھ لگہِ روزِ محشرس — جس کے صدقے روزِ قیامت
تَس کُن وومیدوار آسن ساَرِی — ایک عالم چاہے گاشفاعت

پوزَ یُدبوزکھ پانژھ نو مؤرکھ — پانچ حواس جھکیں سجدے میں
نِتہِ ماز نومورکھ سوئے چھے نماز — دل کی نماز انمول نماز
شِوس تہِ شینہس میول یُدکرکھ — جن سے خلاو ملامل جائیں
سدو سوئے چھے دنتھر نماز — وہ سچے دوبول نماز

پانٔے پوج تٔے پانٔے قصاب — آپ ذبیح اور آپ قصائی
پانٔے پانٔس یواں گراکھ — آپ ہی اپنا گاہک بھی
پانٔے پانٔس ہیٔواں حساب — اپنا حساب بھی آپ چکائے
پانٔے مازتٔے پانٔے شراکھ — آپ ہی گوشت اور آپ چھری

پرااں پراں پالُن مَوٗ ٹھم — پڑھنے لکھنے سے کیا ہوتا پڑھے پہ جب نہ ہوئے حاصل
لیکھاں لیکھاں زوٗلُم دِل — پڑھنے اور لکھنے سے بھلا تسکین کہاں ہوتی حاصل
ذِکرے ستٕۍ خُدائے ٹوٗٹھم — ہاں جب ذکر کو اپنایا تو مہر اُس کا محسوس ہوا
فِکرے ستٕۍ رَوٗچھم شِل — ذکر سے صاحب کو پایا اور فکر سے ٹھہرے صاحبِ دل

پاٗزن آپراں کوکرتچھاں — حیرت ہے جہاں پر مرغے پنجے ماریں چوگ چگیں
مُڈن پھیراں برتل ٹرٕ کھِ — بازسد ہائے گئے ہوں ایسے روز بھی غیر کے ہاتھوں پائیں
سوٗ زَن جھکھاں کوٗ زن کھیواں — بھیڑ لگی ہے جاہل لوگوں کے در پر ہشیاروں کی
ذاکرِ حیران غافِل سُوٗکھ — کام بھلے لوگوں کا مقدر اور بُرے اُس کا پھل کھائیں
داتا تیرے ذاکرِ خاک بسر ہیں ٹھوکریں در در کھائیں
حیرت ہے کہ یہاں پر غافل سُکھ کی نیند میں یوں سو جائیں

(ت)

تِی بوٗزِہ فاطمہؓ نِشہ خند کارس
دَپہ ''رَبنا بابس غم کاس سارٔی''
تورَ ادہ بَر وژرن رحمتکِس گھرس
یارس بَنَنس ستہِ دِیہِ سأرِی

بی بی فاطمہؓ تب بولیں گی
''داتا کیوں غمگیں ہیں بابا؟''
رحمت کے در کھلوا دیں گی
سارا جگ بخشا جائے گا

توش بندہ نمازِہ بیہِ رمضانس
تی بایہ لگی پانس ستہِ
دوہہ اکہ لمہ لِم لگہِ یتھ جانس
اَند اَند یار بھائے روزنے کأتِ

ساتھ یہی کچھ جائے اس پر کم ہے جتنا کیجے ناز
صوم وصلوہ کی پابندی کر تیری پونجی روزہ نماز
اِک دن جان کی کھینچا تانی ہوگی بھائی عزیز احباب
غُسل تری میت کو دیں گے رونیں گے سب سینہ گداز

تلہٕ چھےٚ زِیوس تےٚ پیٹھ چھکھ نژاں
وَنتہ مالہِ مَن کیتھٕ پژاں چھےٚ
سَوروے سوٗبرِتھ یتِ چھےٚ موژان
دنتہ مالہِ اَن کیتھٕ رواژن چھےٚ

پیروں تلے گنواں بھی دیکھو
کِس دِل سے تُم ناچ رہے ہو
کچھ پونجی ہے؟ پلے باندھو
یہاں کا جمع یہیں تک سمجھو
یہ سب کچھ معلوم ہے تُم کو
اور کھاپی کر پاؤں پسارو؟

تگہِ یےتہ بوُچھس بھوزَن دِزے	کر پاؤ تو بھوکے ننگے محتاجوں کی مدد کرو
سُنِس گریش زِہ نہ کیاہ چھے ذات	کون ہیں اور کیا ذات ہے اُن کی یہ نہ کبھی اُن سے پوچھو
ثواب ساسے گُن پرٗاوزے	اتنا یاد رہے ایک اچھے کام کے ہونگے ہزار ثواب
یہ بایہ نُندہ کرتہِ راوِ نہٕ زات	جو بھی اچھا کام ہو تم سے مت بیکار اُسے سمجھو

(چ)

چھراہ پیپایَس کوہ سنہ ژٲجن	چوٹ کو سہہ لیتے چپ رہتے
منصُور کاکِس وُہہ نٲجن گے	آخرا آپے میں نہ رہے
شانتہ ہنٛز کرٛے کیتھ سُودہ وٲجن	کیا منصور میاں کو سُوجھی
أندرچ آس تہ نیبر کتھ پیے	اطمینان کی بات گئی
	گھر کی بات نہ باہر کہتے
	مُنہ سے نکلی کہاں ٹھہرے

(ح)

حضرتِ شاہسؒ شیرِ یزدانس	اور یزداں کے شیرؒ جوبانٹ کے
یِکہِ ژوٹ کھیہ مہمانس ستہِ	کھانے میں مشہور رہے
نُندہ ریوشِ عرض کرہِ شاہ ہمدانس	نُند اریشی میر ہمداں سے اتنی ہی عرض کرے
تَتہِ جنتش ہیتم پانَس ستہِ	اپنے ساتھ مجھے لے جائیں جنت میں یہ یاد رہے

حضرتِ محمدؐ دیہ سُند پیارُو	پیارے نبیؐ اللہ کے دلارے
دَمہ دَمہ جبرائیل یار تَس	جن کے جلو میں رہے جبریل
تُمی یِیلہِ سکھر گرِت توت پارو	وہ جورحیل ہوئے تو پیارے
دپھ تہٕ بابہ دُنیا سورچھُ کس	فانی دنیا کی ہے دلیل

(خ)

خدا تعالیٰ اوس تہٕ آسی	اُس کی ذات سدا سے تھےاور سدارہے گی
سُویَتہِ آرت کائنِیسے نہ	اُس کی خدائی یہاں نہیں محتاج کسی کی
تِکس دنہار روزی آسی	وہ داتا جو روز ہمیں دیتا ہے روزی
تَس اَسی ژینَس سُہ اَسہِ نہٕ	اُس کو ہمارادھیان ہمیں اُس سے بےخبری

(د)

دیُتھ نرس گوٗر تلرس مانچھی	گنے کورَس دیتا ہے زنبور کو عسل
دیُتھ ہلم ہلس روٗنٹھس دچھ	ٹیڑھی ترچھی بیل کودی انگور کی فصل
بھگہ پارِ چانہِ تودرأ ژے	جگ داتائیں تیری قدرت کے قرباں
دیُتھ رُوسس کستوٗر رچھ	کستوری نافہ لے اُڑی ہرن کی نسل

دأنش مندچھوی امرتہ گورو — دانشمند یہ علم کا دریا
پھیور پھیو رُدی آسئیس پشپاں — بہتا کیا تھا رستا تھا
بروٹھہ کنہ پیتھ آسہِ کتابہ بورَو — آگے دھرا ہے ڈھیر کُتب کا
وُچھتھ آسے ٹاثجران — بال کی کھال اُتارے گا
وُچھن ہیوّت چھو اندرِہ ژھورد — کھوکھلے کو اندر سے دیکھا
پرس پرِنتھ مشبس پان — باتیں بہت عمل تھوڑا

دَمی ڈیتھم ند سَوٗلہ وُنی — پل میں دھیرے بہتی ندیا
دَمی ڈیتھم سُم نتہ تار — پل میں ڈوبتے گھاٹ ملے
دَمی ڈِیتھم تھُرے پھوٗلہ وُنی — پل میں کانٹا بھی نہ بچا تھا
دَمی ڈِیتھم گُل نتہ خار — پلک جھپکتے پھول کھلے

دَمِی ڈِیوٗٹھم شبنم پیواں — پل بھر میں شبنم کے موتی
دَمی ڈِیوٗٹھم پیوٗاں سُور — پل میں پوہ کا پالا تھا
دَمی ڈِیوٗٹھم گٹہٕ پچھ یواں — پل میں اماوس رات اندھیری
دَمِی ڈِیوٗٹھم پھولہ وُن نُور — پل میں نُور کا ہالا تھا

دَمی ڈِیٹھُم دزٕوٕنی گجی — پل میں رستے بستے گھر کے
دَمی ڈیوٹھُم ژٕہ نتہٕ ساس — چولہے ٹھنڈے پڑے ملے
دَمی ڈیٹھُم پانڈو مأجی — ابھی جو پانڈو ماتا تھی اب
دَمی ڈِیٹھُم کرٲجی ماس — اُسے کمہارن بھی کہیے

دارس لۆدُکھ کونہ نہ سَنہ مُودَد — زندہ رہے کیوں کر ممکن ہو جس کو سُولی چڑھایا گیا
نارس لۆدُکھ تہ رُودو مَو — راکھ کا ڈھیر ہی باقی سمجھو آگ میں جس کو جلایا گیا
عارفو عاشقو توے وَودُکھ — لیکن عیسیٰ اور خلیل کے عاشق روکر کہتے ہیں
منصورے اوس مودوے مَو — وہ منصور تھا کیسے مرتا دار پہ جو لٹکایا گیا

دُنیہس آیاے بأجی بأجی — ہم سب اس دُنیا میں آئے
سَمِتھ کرہَو بأجی وَتھ — ایک برابر ایک ہی جیسے
برونٹھ کنہٕ أچھن گومول تے مأجی — یُوں ہوتا، مل جُل کر رہتے
وُچھتہ کرِتھ سأنی وأنج وَتھ — اِک دوجے کا ہاتھ بٹاتے
لیکن ہونہ سکا یہ ہم سے
ہم ایسے پتھر دل ٹھہرے

جنم دیا تھا جن لوگوں نے
دیکھا اُن کو رخصت ہوتے
اور ہمارا دِل نہ پیجا
زِیست ہوئی۔ پتھر کا کلیجہ۔

(ذ)

ذات چھےٚ دپاں ذات چھےٚ میأنی
تَس عقل تہٕ بوٚدھ دأنی مَو
اَلگ ذات نکس گُنی
پلگ ذات کأنسہِ گُنی مَو

اپنی ذات کو اُونچا سمجھے جو بھی ذات کی بات کرے
ہوش وخرد سے بیگانہ ہے کوئی اُسے عاقل نہ کہے
اِس دُنیا میں سب انساں ہیں سب کی ایک ہی جیسی ذات
ذات تو اُس دُنیا میں کہیے جو جس کے اعمال ہوئے

ذات گرِیشتھ کیاہ چھوی سودا
ذات گرِیشتھ کیاہ مُدعا چھوی
ذات نو تھو نے قبیلہ جُدا
سارِنی بروٚنٹھے گدا چھوی

ذات کسی کی کیوں پوچھو کیا سر میں تمہارے سودا ہے
بیٹھے بٹھائے ذات کسی کی پوچھو فائدہ ہی کیا
تُم منسوب ہی ہونا چاہو گر مخصوص قبیلے سے
سُنو کہ سب سے بڑا قبیلہ وہی ہے جو بھک منگا ہے

(ر)

رسُول خُدا لیس شاہِ سلطانس میرے شاہ رسُول خُدا کے
یُس اُمتس ہیہ پأنس ستۍ شافع محشر جو ٹھہرے
حضرت صدیقس تَس دُر دانس پہلے موتی اِس مالا کے
یُس ہیوت صاحبن پأنس ستۍ حضرت صدیقؓ اکبر تھے

رزِق چھے برؤنہہ تے مَوت چھے پتے تُو بھاگے روزی کے پیچھے تیرے پیچھے موت کھڑی
دُنیا چھُ شہرک اَتے گتھ اِس بازار کی بھیڑ میں بابا سب کو اپنی اپنی پڑی
سَرن بھُگی تہ گارس وَتے اپنے مالک کو پہچان اور اُس منزل کا رستہ ڈھونڈ
بوز چھےٚ روزان نیک بد گتھ نیکی اور بدی دو باتیں بات رہے تو بات بڑی

راتس دوہس کلمأہ پورمُ وِرد کیا شب و روز جو کلمہ
تِ زن موزمُ تلکی سَون کُندن بن کے جبیں چمکی
رات تےٚ دوہ گنہِ پیٹھ بوزمُ پتھر کی سِل پر جا بیٹھا
اوسُس ساس تہ سپنس سۄن میری راکھ بھی سونا تھی

(ز)

زُوَو ژَہ بوزتو کنہ واں
کان پڑی آواز کی جانب دھیان ہائے دل سُن لے جان

یہ ہو مرٕنِ خبر شنواں چھے
یہ آواز چتاونی ہے مرجانے کی سن اے نادان

کاٹھی ہنڈس زن نئۍ پُنج وان
یہ جو گھاس کے تنکوں سے دنیا تجھ کو بھرماتی ہے

یہ گاسہ کاٗن دنیچ برمہ واں چھےٚ
بھولی بھیڑ یہ تجھ کو لئے جاتی ہے قصائی کی دکان

زُوہ میانے ہاٗمنہ شوٗنٹھو
میری جان میرے مُردہ دل

دوہہ دوہہ گوناہ چھی پوٹھاٗنی
روز بروز تو پتھرا جائے

گوٗہن گُنے بورتھم ٹوٹھو
تُو ہے گناہ کی جانب مایل

وَنتہ کس ییٖ ٹوٹھاٗنی
کون بھلا تُجھ کو اپنائے

نکیر مُنکر ہِنے بروٗنٹھو
آگے کھڑے ہیں نکیر اور مُنکر

کرنے یہ قصب کوٹھاٗنی
گوشت قصائی کے ہاتھ آئے

زُوٗتےٚ موٗر گژھِ پانس پانس
جسم اور جان جو اپنی اپنی راہ لگیں اور میں نادان

کیاہ لاریوٗو نادانس مےٚ
اب جاکر کچھ سوچنے بیٹھوں اب آئے حاصل کا دھیان

سنٛز یلہ کرن کفن سرانس
میرے وارث میرے کفن اور غسل کا کرنے لگے سامان

دہ باَژی وُچھن مہمانٕس مےٚ
ترأوتھ ہُنم اند ماؔدانٕس
لُوکھ گرٛژھن پانٕس پانٕس مےٚ
اَشدر وسُم کتِٕس جانٕس
ماؔدِ کرن وسخانٕس مےٚ
حساب ہینم دانٕس دانٕس
کیاہ تتہِ پے حیرانٕس مےٚ

مجھ کو گھیرے دیکھ رہے ہیں آج میں ہوں اُن کا مہمان
اپنی اپنی راہ لگیں جب مجھ کو دفنا کر یہ لوگ
تب نیولے اور لکڑ بھگے ہوں گے میرے جسم کا روگ
ہر شے کی پرسش ہوگی اور ڈھانچہ پیسا جائے گا
میں حیران پریشان ابتر کون منائے میرا سوگ

زَرِس زر ژام ہنگرے
بَلہ نہ کھنڈہ نابدہ شکرے
سُو رنگر ژھارن پرتھ گرے
یُس کرِھنِس تھانٕس چھوت کرے

میں بہرا میری کپنٹیوں پر اُتری خزاں کی شام
میں روگی اب قند و نبات سے مجھ کو کہاں آرام
اب تو اُسی رنگریز کو ہر پل ہر سات ڈھونڈوں جو
کاٹ تھان کو اُجلا کر دے یوں ہو مرا انجام

ژُدہ کیدِ نارِ ژھکِ سۄ زنار ژٔن زن
ژِہ گُنہِ زن مؤلی نو دژوے
وأرلتھ ژھٔنے ڈاین گزن
تتےٚ لوٗلزٕین پٔنٕنی کمأے

تجھ کو بچائے پھرے پھرتے ساری عمر گنوا بیٹھا نے وِل
تُو دارد سونا تو کندن کسی نے پوچھا تیرا مول
میں تو قبر میں سو جاؤں گا حل ہوگی میری مشکل
اپنی قیمت پوچھتے پھرنا اپنی قدر کا کرنا تول

(ژ)

ژُور مے ژام لالہ امبارس
مختہ نیوُنَم بوکہِ کیاہ دوژھے
مُھتھِ ژَوُلم ووِنؠ کۆت لارس
یارس دِژِیم اند مزارس وونوی

میری پونجی میرے موتی ایسے چور کے ہاتھ لگے
جس نے مٹھیاں بھر بھر دونوں ہاتھوں خزانے لوٹ لئے
لُوٹ چلا بٹ مار تو اب میں کہاں کروں اُس کا پیچھا
قبرستان کی تنہائی میں یار کو دیکھنے آجانا

ژالُن چھُے وزملہ تَے ترٹے
ژالُن چھُے مند ننن گٹہ کار
ژالُن چھُے پرٛبتس کرنہِ اَٹے
ژالُن چھُے منز اَتھس ہیون نار
ژالُن چھُے پان کُڈن گرٹے
ژالُن چھُے کھیون وِیہہ تَے گار

صبر یہ ہے تم بیٹھے بٹھائے ایک پہاڑ کا کاندھا دو
صبر بھری دوپہر میں چھانے لگے اندھیرا تو چپ ہو
صبر، کڑک بجلی کی آگ ہتھیلی کی چکی کے پاٹ
رعدو صاعقہ تاریکی طوفان بادو باراں ہو
ساری بلائیں نازل ہوں تو اپنا سینہ سپر کرو
یہ سب کچھ سہہ لو تو صبر کا زہر پیو سنکھیا کھالو

ژدُک تے مُدٕ ہر ٹیوٹھ تَے زہر
خون جگر تیمی اوہر کھیٔو
تیمی یَتھ پیٹھ ہیشر ژِیڈ تے کہر
سُو تَتھ شہر گژھتھِ پیو

سرد و گرم چشیدہ ہوا و تلخ و ترش کا ہو خوگر
زندگی کرنا جانے یعنی پی سکتا ہو خونِ جگر
جب منزل کا ارادہ باندھے اور ارادہ محکم ہو
اُس کو تم بس پہنچا سمجھو اُس سے دور ہے کون شہر

(س)

سنگرلُوستِس کانگرِ ژھوٚم
گجہ نے پیوٗم لدس کیات
پھلہ ڈھیر ترأوتھ مَلہ ڈھیر دیوٗدم
کلہ بودَھ کھینم دیٔن کیا رات
سون روٗپھ ترأوتھ سرتل رٔیوٚم
کرتل پھٹرتھ گرٔمس ڈٔرات

اُونچے ٹیلے کرنوں کو جب چاٹ گئے اور شام بجھی
ٹھنڈی پڑ گئی کانگڑی میری تب یاد آئی چولہے کی
کرچیاں اور کنکریاں چنتے کھیل میں سارا دن گزرا
اب یاد آیا میرے آگے پڑی اناج کی ڈھیری تھی
ہاتھ اُٹھا کر سونے چاندی سے پیتل کو اپنایا
توڑ دیا تلوار کو میں نے اور گھڑلی اُس کی درانتی

سَوٗنس تہِ سہ تلہِ اَکُے زلُن
تہِ ڈیشتھ زُو میون کلُن ہیوٚت
ڈِیوٗنٹھم نُندیَن لیوٗٹھ تہ ڈُھین پھوٗلُن
تَوے اند وَن مہِ ژلُن ہیوٚت

سونے اور پیتل کی چمک کو ایک برابر سمجھیں یہاں
دیکھتی آنکھوں کے اس اندھے پن سے الجھن میں ہے جاں
بروں کو پھلتے پھولتے دیکھا اور اچھوں کی یہ درگت
یہ حالت دیکھی نہیں جاتی جب ہوتا ہوں بن کو رواں

سُوٗگل کیاہ منگہِ گُلستانس
یُس ٹاٹھِس جانس چھانگر گیٔے
سُو کیا منگہ آفتابکس نُورانس
یُس اندمأدانس نندرِ پیٔے

گلشن سے کیا رشتہ جوڑے ہریالی سے کیا سکھ پائے
جو گُل شاخ سے ٹوٹ گرا ہو اور ہوا کی زد میں آئے
کیا سورج کی حرارت چاہے کیا مانگے کرنوں سے نُور
وہ بیکس جو راستہ چلتے موت کی نیند میں گم ہو جائے

سنز چھُم مول تَے سنزی چھم موجی — سنز ماں باپ بھی کہلاتے تھے
توے رُودسُ سنزی ہاو — میں سہز آنند دِ لارام
ڈیکہِ کرمَے پھیور پیام شوڈی — لیکھ ازل سے ہی تھے پیارے
تَتہِ بو نُندہ تَے یَتہِ درام ناو — اب مشہور وہ پیارا نام

(ش)

شِو شِو کراں شِو موبوزے — آگ کی منقل میں گھی ڈالے مفت میں گھی کا ناس کرے
گیو کندِ کرکھ منسہ بزے — یوں تیرے شِوشِو کرنے سے شِو کیوں کرتری بات سُنے
گیو دِیو دِیہس دیَہہ دوٗر روزے — اس سے بہتر ہے اس گھی سے جسم کو تو مضبوط کرے
دِکھ نے دِہس بیہس دِزے — یہ بھی اگر منظور نہیں ہے اور کسی محتاج کو دے

شراوُن سُور تَے کستور کلئیو — ساون بیتا اور پپیہا ہکلایا خاموش ہوا
رنگہ بلبلَس گیم گلہِ زِ ئیو — رنگیں بلبل گنگ ہے جیون بیت گیا سو بیت گیا
یاوُن سُور گُنہِ سیتھ نہ بلئیو — جیون کی اِس رَت کے پھیر کا کوئی علاج نہیں ممکن
وَیس نہ قند نابدتے گیٔو — مصری قند اور گھی کا دارو اس روگی کو نہیں بھایا

شوگہٕ ژٔلہِ نیرتھ پٔنژر سٹھیم
لۆتہِ لۆئتہِ تلنم ہاہا کار
آرٕ وَل پوشِ زن بدن شیٹھم
بار خُدایا پاپ نوار

پنچھی کے اُڑنے پر سُونے پنجرے کو ردئیں گے یار
سسکیاں نکلیں گی جب رخصت ہوں گے مچے گی ہاہا کار
موت کی زردی میں جوڑ ھلے گی پیلے پھول کے روپ کی دھوپ
میرے گناہوں کی بخشش ہو یہی دُعا ہے پالنہار

زُوتہِ اَوژ ہوی پون تہِ أوژ ہوی
ژِہتھ تہِ اوژھوی اوژھوی سار
یَمن پَدن مے وَیٔژار گوژھوی
بار خُدایا پاپ نوار

جان میں بھی اب جان نہیں اور سانس میں باقی دم نہ رہا
عقل شعور اور حوصلہ ایک کا بھی اب وہ عالم نہ رہا
میرے اِن ابیات کو سمجھیں، سمجھو پیچ وخم نہ رہا
میرے گناہوں کی بخشش ہو یہی دُعا ہے پالن ہار

ڈِٹھس کلک کالس منٛزی
ہنٛزی پاٹھن لہمل تار
ؤنی وِنت نُندہ سنٛزی
بار خُدا یا پاپ نِوار

مسخرگی کے ایسے گھناوٴنے دور میں کیسے بسر کرلی
میرے لئے یہ سیل تھا ایسے ہنس کو جیسے ہو پانی
نُندہ سنٛز نے سب کہہ ڈالا جو کچھ بھی اُس پر بیتی
میرے گناہوں کی بخشش ہو یہی دعا ہے پالن ہار

(ص)

صبر یوٗد کرِکھ سُو بوٗدِ چوٚنوٚ
یہ لانہ آسی نہ تہ اتھ ییٔ
ژہٕ یوٗدَ کرکھ میوٚن نہ میونو
ادہ دِیوتمت اتھ ژِہ ہیٔی

صبر کرے تو داتا تیرے
جو نہیں لیکھ میں وہ بھی ملے
اور جو حق جتلانے پیٹھے
پھر لینے کے دینے پڑے

(ع)

علمک آگُر کلمک معنی
گریہِ ہُند آگر مینی کھین
شینہک آگر پانۓ زانے
سٔدرُک آگُر لبئِس نہ ژھٔین

کلمہ علم کا منبع ٹھہرا ہونگے وہی افعال بھی پاک
جن کا منبع نفس ہی کہیے یعنی نپی تلی خوراک
شنیا یعنی فنا کا منبع لافانی کو ہے معلوم
اور سمندر کا منبع ہے ایک تسلسل کا ادراک

عاشقن تریٚش تےَ بوٚچھ نےَ آسے
کاشک کمس پَت ییہِ نےَ زات
چھُ دُرس وطن صدفس نِشے
ژورس نینْدر آسہِ نے زات

عاشق کو کب بھوک اور پیاس کا ہو دھڑکا
کام سے کبھی کمانے والا نہیں تھکتا
گو صدف کی موتی کا مسکن ٹھہرا
چور بھی چوری کے نشے میں نہیں سوتا

عاۤرفن عاشقن شُو باہ لاۤ جن
اندٗ رچ اواز کوہ نیٚبر گیٔ
شرٕ عکس سو تھس سیراہ واۤ جن
کاۤ ٹھس کھوٗرکھ خبر گیٔ

گوش ہمہ تن عارف عاشق سازِ سکوت و پردہ ساز
حلقہ در سے باہر کیوں کر آیا اس آواز کا راز
یہ آواز نہیں اس کو خشت دیوار شرع کہو
اٹھی فرازِ دار سے جو پھیلی ہے اتنی دور دراز

علمِ پٔرتھ زونکھ أسی گے وٚٹھی
تم ویٚٹھ گوٚگل ٹیٹھی گے
یم ماتم ہیتھِ اندوٚن بیٹھی
تم تل آستھ پیٹھی گے

علم پڑھیں اور اپنے علم کے موٹاپے پر اترائیں
ان کے علم کا موٹاپا کڑواہٹ موٹے شلجم کی
عالم وہ جو علم کو تج کر دور بنوں میں جا بیٹھے
وہ لاغر ان علم کی توندوں پر ہر طرح سے ہیں بھاری

(ف)

فقر یَس وندس شرٕوپو
زحمت تسنٛز رحمت ونیٔدے
تَس کالِک نیول تہِ پگہک پو پو
سُے گژھِ تٔرتھ بوہ سیندھے
یہ خُداے تہ رسول دوپو
تہِ یَم پوٗل سُوٗژاو گرندے

جس کے دل میں فقر سمایا
زحمت بھی اُسے رحمت ہو
اُس کا کل ہے آج سے اچھا
پار کرے اِس دریا کو
مان لے حکم خدا و رسولؐ کا
جو بھی اُسے اعلےٰ سمجھو

فقر چھُے دوزخس وُرن ٹھورَو	دوزخ کی ہے ڈھال فقیری
فَقر چھُے انبیاہن ہند خوئے	فقر تو ہے نبیوںؐ کی خو
فَقر چھُے اُلگ پلگ ژو رو	دونوں جہاں پر فقر ہے بھاری
فقر چھُے مشک تے خوشبوئے	فقر ہے پھیلی ہوئی خوشبو
فقرس پیٹھ یُس رودو دورو	دونوں جہاں میں آبر وُاس کی
تس چھُے یَتہِ کیاہ تتہِ آبُروئے	فقر پہ ہو جس کو قابو

(ق)

قرآن پران کونو مُودگھ	کیا ہو جو قرآن کی تلاوت
قرآن پران گوئے نو سوُر	تُم جی جان سے کرپاتے
قرآن پران زندِہ کیتھِ رُودکھُ	کورے کے کورے ہی رہے
قرآن پران دَود منصور	منصور جو ہوتے مرجاتے

قرآن پران کتھ بےغم رُودکھ	تُم قرآن کی تلاوت کو آسان سمجھ کر لُوٹے گئے
یامت پھورِوی اکہ ہوت ژور	تُم جو قتیل تلاوت ہوتے بھاگ تمہارے سنور جاتے
یَمو پورَ قرآن شب وروز ودُکھ	قرآں کو فرقان سمجھ کر جن لوگوں نے تلاوت کی
وداں سپنکھ اڈِجن سُور	سُرمہ ہوئی قرآں کی عظمت سے اُن کی ہڈی ہڈی

(ک)

کوٗر دو رسُولِ خُدالِس زایِئے　　بیٹی ہمارے پیارے نبیؐ کی
سوکوٗر زینہ آئے عالمس شوب　　جس نے جہان کو زِینت بخشی
حضرت شاہسؓ سوباگنہ آیئے　　جوشہِ مرداںؓ کے گھر پہنچی
تَس اَتھِ زایے زہؓ آبروب　　حسن حسین کی دولت دے دی
ناوتَس حضرت فاطمہؓ آیئے　　حضرتِ فاطمہؓ نام نامی
وندہس زوجان تِی چھم لوب　　جاں اُن پر قربان ہومیری

گوٗر چھے مکٔرِ دِین دیودارس　　کلہاڑی دیودار کو جیسے
ژٹھ کریَس گنہِ لارٔی　　بیٹی باپ کو بھاری ایسے
گوٗبُر چھُے تازی بچہ آخیرس　　بیٹا تو ہے تازی گھوڑا
لدٔتھ پلنہ گُرس سؤاری　　کام سواری کے آئے گا
بھوۓ چھُے اَتھ کھور بجرس　　اور بڑھاپے کا وہ سہارا
پیتس مہم گُریس یاری　　جس کو کہیۓ بھائی پیارا
رَن چھے رتَن مَنہِ پٹارس　　ایک گہرے اور بھی بھائی من کی پٹاری میں ہے چھپائی
نُندِس تہ ڈٔھس کری یارٔی　　گوری جو تم سے بیاہ کریگی برے بھلے سے نباہ کریگی

کینٛژن قبر چھے پوش زَن شیر ہے
کینٛژن قبر چھے سیاہ چاہ
کینہہ گٔے صاحبہ چانے ویرے
کینہہ گے زِیرے اکہِ گمراہ

ایسے بھی خوش بخت ہیں جن کو قبر ہے پیشانی پر پھول
کچھ ایسے بد بخت کر جن کی گور ہے اِک تاریک کنواں
ایک ذراسی لغزش پر گردانے گئے کچھ نامقبول
وہ بھی ہیں تیری چاہت میں ڈوبا جن کا رواں رواں

کاوِ کھیٔہ گوج کان ستِتِس
پٔتھس مُرن.........کنڈے
برائے سٕنز لور پییہ کوکر پوتِس
اُتیئن بلائے تُتھن ووندے

گرِی اخروٹ کی کوے نے کھالی
نشانہ بن گئی ھد ھُد کی کلغی
ہوائیوں بھی کہ بچ. نکلی ہے بلی
محافظ کی چھڑی چوزے پہ برسی
طویلے کی بلا بندر کے سرتھی

کونگ چھُی گاسہ تہ زمین سوناہ
بندہ جنتے گژھی کرنے گر
سورگس برپیٹھ درخت طوبیٰ
سُوہبا سور گگ گاشر
برگن سائنی لیو کھمت کلماہ
لنجہ چھس سیم گوڈکس زر

گھاس ہے کیسر دھرتی سونا
جنت ہے انعام عمل کا
روشنی جنت کی ہے اِسی سے
دَر پر ہے جو درخت طوبی
پتے پتے پر ہے کلمہ
شاخیں سنہری تنا روپہلا

مُولن تل چھُس بُڈ ناگہ راداہ	جڑوں کے نیچے ٹھنڈا چشمہ
دودھ خوتہٕ صاف زیادہ ترٕ	دودھ دُھلا بالائی ستھرا
بندہ یُد کریہٕ ہُند چھوُی مراداہ	چاہے گر تُو مراد عمل کی
ساد تتھ بناؤ قند شکر	قندو شکر سے زیادہ میٹھی
لال یاقوت، زمرد، کنارا	ہیرے اور یاقوت زمرد
چھی تتھ کیٖٛو کنہٕ گوہر	دیواریں ساری پتھریلی
ییہناو بندن گونا گونا	ہیرے موتی ڈھیر لگادے
کراوکھ لالن ہنڈٕ امبر	بات یہ اپنے دل میں بٹھادے
کرٕش بوٚ ویکھ آسَن داناہ	آنکھوں والے جلوہ دیکھیں
درٕشن ہاویکھ کاسیکھ ڈر	خوف اور لالچ سے درگزریں
صاحب ستارن آسہٕ تتہٕ ماناہ	اور ستارہ بخت اس دوڑ میں
تتہٕ آفتابس روزِہ کرفر	سُورج سے بھی آگے نکلیں

(گ)

گیان یَس دوت رَن تَس تجی	گیان عرفان جسے ہے حاصل
سُوکرِہ ہرس ژَیتے باو	اُس کے ہاتھ رہا میزان
مَدہ یَس موٚر تہٕ خودی ژٕجی	خودی کا نشہ اُترے تودِل
بُوےٚ کینہہ تے مہِ کیاہ ناو	ہوئے نہ ہوئے پڑدے دھیان

سُہ تیٚمہِ ڈیُوٹھی ئے تَس ژٕجۍ
اِدٕ کُس کرے گونٛد تے گراو

دیکھنے والے کے آگے پھر
کوئی بھی پردہ نہیں حائل
کس کو کِس سے ہوگا شکوہ
کِس کی شکایت کس سے گمان

گوپھہِ اژَنے سَتہٕ دے نولبکھ
نُول گگر دراونوا اٚج مٔژہ زاہنہ
سرانو سَتہٕ من نوشروژکھ
گاڈتے ودربوٚٹھ کھوٚت نوزاہنہ
وودپس دِنہ سَتہٕ دَے نوٹوٹھی
درالدِن لیٚجہِ دَے لَود نوزاہنہ

اُس کی تلاش عبث ہے بندے غاروں اور گپھاؤں میں
چوہوں نیولوں کو مل جاتا وہ جو گپھاؤں میں ملتا
دیکھ عبث ہے تلاش خدا کی جھیلوں اور دریاؤں میں
مچھلی اُدو بلاؤ کو ملتا گر پانی میں چھپا ہوتا
مفت خوروں کو دان دینے سے خدا خوش نہیں ہوتا
ایسے مفت خوروں کو راس نہیں ہانڈی چولہا

(ل)

لا اِلٰہَ اِلاَّ اللہ صحی کوٚرم
وَحی کُرم پنٕن پان
وجُودِ اندرَے موجود میُولُم
ہَر موکھ وُچھم پنٕن پان

میں نے پڑھا توحید کا کلمہ
میں نے پایا رازِ حیات
موجود اُس کو وجود میں پایا
ہر سُو دیکھا جلوہ ذات

لُوبس تہِ مہس مدھ اہنکارس
کونگم ڈارس وَیم نہ پوئین
دیاری سُورِم سودا گارس
چھون بازارس کیا بہہ ووئیں
آخر ژمو سأری مزارس
نارس ووڈ گتہِ سارس پوئیں

بغض حسد نفرت اور لالچ کے دھاروں کا سیل رواں
میری کیسر کیاری کو یہ پانی راس نہ آئے گا
دنیا کے بازار میں خالی ہاتھ لئے جاؤں تو کہاں
میں ایک ایسا سوداگر جو اپنی رقم گنوا بیٹھا
اب جا کر معلوم ہوا ہے ہم ہوں گے اور اندھی گور
اب یاد آیا آگ لگے پر کھودنے بیٹھا ہوں میں کنواں

لالچ قدر ڈونگل زانِے
پوٗش کیا زانِے سوتھِ پیٹھ وَتھ
شمعچ قدر لش کیا زانِے
مُچھ کیا زانِے پوٗنپر گتھ

موتی کی کیا قدر ہے کوئی پوچھے کسی غوطہ خور سے
اُس حیوان کو کیا معلوم جو خشکی اور کنارے چلا
شنگل یا دیودار کی لکڑی شمع کی قیمت کیا جانے
پروانے کے رقص کو کب مکھی اور مچھر نے سمجھا

لُور کیٔتھو وُٹھکھ سیٔکے
آبے رٔکھے پکی نہ ناوَ
تہِ کُس کأستھ ہامالہِ ہیکے
یہ لانہِ ڈیکے لیکھے آو

کب بٹتی ہے ریت کی رسی ایسا بھی ممکن ہے کبھی
کوئی لکیر برابر پانی پر کھینے نکلے کشتی
ایک لکیر کی کیا وقعت ہے گر قسمت کی لکیر نہ ہو
تیرے ماتھے کی یہ لکیر تو تیرے مٹائے نہیں مٹتی

(م)

مُحمد تہٕ ژور یار برحق گنزرکھ
تِمن نِشہ اندہٕ دینک نیایٔ
جانِ پٔتُن تِمن پتھ بٔز رکھ
سوئے چھے تور کشر بڈ رہکایٔ

نبیؐ اور اُن کے چاروں یار سچے
وہی معیار ٹھہرے دین حق کے
فدا اُن پر تُو اپنی جان کرلے
نبھے گی آخرت تیری اسی سے

موماز مازس مسّس تہٕ مینس
توہ دِل گژھی شینس تَل
نصر بابہ پان پُشر جان آفرینس
توہ ستیٖ ژلی آئینس مل

مدھ مچھلی اور ماس کی لت سے
دِل دب جائے برف تلے
نصرو اپنے رب کا ہولے
دُھول ہٹے آئینے سے

مُقام روزتھ مَن نٔے موژم
یہ کُمی ہانژھی پھٹرم شیش
یہ دیہہ شیرہ نابدہ سندورم
ادٔے سکھورم پردیش

دِل پرقابو رکھ نہ سکا مَیں اپنے مقام سے دور ہوا
یہ کس دھوکے باز کے ہاتھوں میرا شیشہ چور ہوا
کن کن جتنوں سے میں نے اِس جسم کو قابو میں رکھا
شیر و شکر سے بہلا یا تب اسے سفر منظور ہوا

مرگ چھے سہہ تَے کوتو ژُلزے
کھیلہِ منزہ کڈی ژارِتھ کٹھ
مرگچ شربت چِنہ رۆس نہ بلزے
سُولہِ کیتھ نہ گیاس مارِتھ گتھ

بھیڑوں کے گلے سے بھیڑ کو جیسے اُٹھالے جائے شیر
موت جھپٹ کر لے جائے گی تجھ کو یونہی دیر سویر
کوئی علاج اِس بیماری کا ہے تو مرگ کا یہ مشروب
دُکھ تو یہی ہے سیدھی بات سمجھنے میں کی تُو نے دیر

(ن)

نصربایہِ زُوچھے شمع زن تارس
نصربایہ زُوچھے دماہ پنچہ پوژھ
زوس یژھ گرِزِ نہ مکارس
یارس دزیم اندمزارس دوئے

نصرو بھائی حیات ہے ایسی جیسے ڈیوٹ پر ہو دیا
نصرو بھائی پل دو پل کی مہماں ٹھہری شمع حیات
جان برادر نہیں بھروسے کے قابل مکار کی ذات
گورستان کی تنہائی میں یار کو دیکھنے آجانا

نمازِہ پرتَے پاَتھن وسی
نمازِہ دودس کھسی تر
نمازِہ الگ تہ پلگ لسی
نمازِہ بہشتس دُسی بر

یہی نماز ہے جس سے ٹلیں گے بھوت پریت کے سائے
اسی سے دودھ پہ بالائی کی موٹی تہہ جم جائے
اِسی سے جنت کے رروازے بھی تجھ پر واہوں گے
اِس دنیا اور اگلے جہاں میں تجھ کو نماز بچائے

نَفس چھے دَنگ اَگہہ زَوَلو
نیریَس نہ پٹ کوٹ منزاٗلو

نفس اِک ٹیڑھا ترچھا کندہ ہے جنگل کی لکڑی کا
اِس کا کوئی شہتیر کڑی ...... تو بننے سے رہا

یَم ژوٹ اَنتھِ گجے زوَلو — اِس بیکار تنے کو جو کوئی جولہے میں جلائے گا
ٲمی شرعِ محمدؐ پولو — جانو اُس نے شرع محمدؐ پر دل وجاں سے عمل کیا

نفسے میانے ژٲرِوِ اَگو — نفس مرا ہاڑی کے درخت کا ڈھیٹ تنا
وتمے دوگو پھولہم نہ زات — لاکھرا سے توڑا سر پھوڑا کچھ نہ بنا
منڈِ نئین مُہتھ ژولہم ٹھگو — دِن دہاڑے اس چور نے مجھ کو لوٹ لیا
ہاسگو پتے ژولہم نہ ذات — یہ کُتا کب میرا پیچھا چھوڑے گا

نفس موڈپھ بدے نِفس ستیٖ سود پچھے — اِسی سے ہے سب لینا دینا کبھی اسے کہیئے نہ برا
نفس رٹن ملہِ حدَے نِفس پرژنتھ خُدا پچھے — نفس کی گر پہچان ہوئی تو جانیے رب کو پہچانا

(و)

وونده نے گنِڈ زِہ تہ کاٗم کتہِ نیَرے — دِل ہی اگر قابو میں نہیں تو کیسے بات بنے
دیہہ نے کھیٗیے سرٛ یہہ گتہِ پھیرے — جسم کی کیسے طراوت کھائے پیئے بغیر ملے
یوره نے گرٛھزہ تہ توره کوٚت یزے — کیسے بغیر سفر کے کوئی منزل کو پہچانے
لوٚب نے آسہِ تہِ وون کتہِ یئیے — جب پہچان نہیں تو کس کو؟ کون دکھائی دے؟

وَنن شرگال واندر آسن	بن باسی بندر اور گیدڑ
گوپھن گگر برن واس	چُوہے غاروں کے پہرے دار
پاَنژھ وقت یم انت کاَمل آسن	کامل وہ جو گھر میں رہ کر
نِشہ باژن تمے آسن خاص	پانچوں وقت رہیں بیدار
گرِ گراَکس تاج لاگنس سَرس	گھر گر ہستی سے راضی داتا
گرِ کور رَسُولنؐ ہرس خوش آو	سنتِ نبویؐ ہے گھربار

ووَتھاں اَتھ زہ کوٗٹھین دِوان	اُٹھتے وقت اُٹھا نہیں جائے اور گھٹنوں پر ہاتھ دھردوں
بہان لورِہ پیٹھ ہیسواں ترٛان	بیٹھے وقت جو تھر تھر کانپوں اور لاٹھی کا سہارا لوں
اِد چھُس آگاشہ بھُتلہِ پیوان	اِس بیکار اُٹھک بیٹھک میں یادِ ٹر کپن آئے کیوں؟
چھُم ژیتس پیواں یَلہِ شُرِ پان	کیوں آکاش سے دھرتی پر میں مُنہ کے مل حاگرتا ہوں؟

(۵)

ہارس نیٔندرِ پیٔم یامت دوہ گوم	ہاڑ مہینے کے دن بلے سوتے سوتے ہوگئی شام
کارس دوہ گرِ ئژ آم نہ اکھ	کام کے دن تھے جتنے اُن میں کیا نہ کوئی کام کا کام
آدنک کرٛے تے کارن ویہہ گوم	عہدِ جوانی میں کرنے کے کام جو اچھے تھے نہ کئے
تتھ پنٛتھانس ہیٔژم نہ سکھ	جو منزل کی طرف جاتی تھی نہیں لیا اُس راہ کا نام

ہے مَنہ موت چھکھ مہس | ہوس کا اندھاپن ہے حرص ہے تجھ پر طاری
سۆت چھکھ لاگتھ دأنی | دھن کی دُھن میں لگن ہے تو جیسے بیوپاری
نفس چھُے پھرواں دوہس | نفس تجھے دوڑائے دن بھر آگے پیچھے
پٹ چھے گنڈ مُژ لأنی | پٹی آنکھوں پر ہے عقل پہ پردہ بھاری
تھپہٕ چھُے دیاواں گوہس | جہاں ہو فضلہ، گوبر مارے ہاتھ وہیں پر
عقلہِ ہنر لیٔی نہ دأنی | عقل انساں کا زیور اور تُو عقل سے عاری
پھکھ چھُے یواں کروھس | دور سے بدبو آئے کیا پھرتا ہے چھپائے
مَسہ چھےٚ برتھِ مأنی | مدھ کے مٹکے اُٹھائے یہ پانی ہے کھاری
ہُون چھُے گوٗمت کھوہس | پانی ترے کنویں کا پاک ہو کیسے بھیا
پاک کیتھ سپدی پأنی | اِس میں گرا ہے کُتا نجس ہے یہ بیماری
گُرمُت چھکھ ملہِ واں پھوہس | بیٹھ نچنت مزے سے یہ جو پنیر بنائے
کھیٚنس پزی نہ دأنی | پڑ گئے بول کے قطرے گئی حرام یہ ساری
برۆر چھکھ اَتھِ وَن سُہس | بلی شیر کے آگے بول کہاں اب بھاگے
کتھاہ بوزتو میأنی | (اب بھی بخت نہ جاگے) سُن لے بات ہماری
خبر ژھ تھوٚئنے نہ رُوحس | ہوش و خرد اس کو کہتے ہیں یہی ہے بس عقل اور شعور
تھوکہ چانہِ اَتھ پاےٚ زأنی | اب بھی وقت ہے تھام سکو تو تھام لو نوح کی کشتی کو
ناوِ تھف کرتو نُوحس | ساری عمر حواس تمہارے رہے ہیں روح سے اتنی دور
(سودرس) تھاہ گتہ حأنی | ناممکن ہے تھاہ سمندر کی تم از خود پا بھی سکو

ہارس تہ شراونس یُس زچہِ لوٗرو
تَس پوہس تہ ماگس بُشن داو
شینس تہ رُودس یُس ننہ ودرَد
تَس رِنس تہ دودَنس دوہے کراو
ہردَنہِ ریٔتہ یَس دوپَس دورد
تَس کُس ہیہِ منز مردن ناد

ساون ہاڑھ میں چیتھڑے پہنے بیٹھے ہاتھ پہ ہاتھ دھرے
ایسا کابل ماگھ اور چوہ کی سرد ہوا کا لقمہ بنے
برف اور بارش میں بھی جو آوارہ ننگے پاؤں پھرے
اُس کا مقدر رونا ٹھہرا وہ تو سدا وتاہی رہے
فصل سمیٹنے کے موسم میں جس کی نظر در در بھٹکے
وہ کس مُنہ سے مردوں کی گنتی میں خود کو شمار کرے

(ی)

یاونہ میانے گُل انارو
چھِ رنٛبل گُل تے شوٗبجہ مژہو
یم یلہِ زالنے دوزَخنہ نارو
ادہ کیاہ کرہ تے ادہ کور گژہو

میرا جیون میری جوانی جیسے پھول انار کا ہو
میری جوانی کب چاہے گی ایندھن اس انکار کا ہو
میرے دست و بازو اپنے کئے کا پھل جب پائینگے
کیا اُس وقت کروں کیا حاصل میری چیخ پکار کا ہو

یم ژیلہِ ژلِتھ کھیواں ئلی
تم سوکھ موکھ ووزائلی چھی
شیطانی کھیے کوژکھ اکہ کھلی
تم شہز لبن نتہ ئلی چھی

جن کے چہرے سُرخ اور اُبھرے اُبھرے گال
کر ڈالا ابلیس نے ہے اُن کا کلیان
ٹھونستے رہتے ہیں جو پیٹو مفت کا مال
ٹوٹ پڑیں جو دیکھیں پھرے پرے کھلیان
یہ وہ لوگ ہیں جن کا نہیں اپنی پہچان

یَتہِ تہِ مہِ ژٕے تتہ تہ مہِ ژٕے
مہِ ژٕے ژھ ہاراں لُوسَم دوہ
گیانس منز یَلہِ روٹکھ مہِ ژٕے
مہِ ژٕے تہ پانس دِتم ژھوہ

یہاں بھی میرا تُو ہی تُو ہے وہاں بھی تُو ہی میرا
تیرا کھوج لگاتے میری عمر گئی دِن ڈوبا
میں خاکی جب گیان میں ڈوبا تو جب دھیان میں آیا
دھول اُڑائی دھوم مچائی پھولا نہیں سمایا

یارَ ے آسہِ تےَ تَس سر دِزے
یار چھوی وِزے وِزے پربھات
بتلِس ژٕمزے ادہ کتہِ یِزٕے
وقتے رنجس گرزے کیات

دوست اگر ہے آپ کا کوئی اس پر کیجے جاں نثار۔
مطلع فجر بھی دوست کو کہیے دوست ہی ٹھہرے شب کی سحر
مٹی میں مل جائیں گے تو یاد بہت آئیں گے یار
ہم بے بس اور وقت کا رخش ہے بے قابو اور زور آور

منظوم ترجمہ کلام للہ عارفہ[1]

لل دید کے کلام کا منظوم اردو ترجمہ طاؤس بانہالی کا دوسرا اہم کارنامہ ہے۔ کشمیری زبان کے شعری ادب میں للہ عارفہ کا نام نامی سرفہرست ہے۔ آپ کو کشمیری ادب میں وہی مقام حاصل ہے جو انگریزی ادب میں چاسر یا ہندی ادب میں کبیر یا تُلسی داس کو حاصل ہے۔ چنانچہ کشمیری شاعری کا اساسی جُز تصوّف ہے اور آپ کا کلام اِس شاعری کا پہلا باب جانا جاتا ہے۔ آپ کو لل دید، للہ ایشوری اور للہ عارفہ جیسے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے اور ہندو اور مُسلمان دونوں آپ کا نام عزت اور احترام کے ساتھ لیتے ہیں للہ عارفہ کی حیثیت صرف ایک رُوحانی مبلغہ کی ہی نہیں بلکہ ایک عظیم المرتبت فنکار کی حیثیت سے بھی مُسلم ہے۔ جس کے درخشاں نقوش تاریخ کے جبر سے آج تک برابر باہر رہ سکے ہیں اور آنے والی صدیوں میں اپنی تابانیوں کا اور بھی مظاہرہ کرتے رہیں گے بقول جناب محمد یوسف ٹینگ۔ ''للہ دید چھے سو سال کا عرصہ گزر جانے کے بعد آج بھی ہمارے ادب کی ماونٹ ایورسٹ

---

[1] بشکریہ قومی ادارہ لوک ورثہ اسلام آباد پاکستان۔

ہے سب سے بُلند قامت، سب سے پُر اسرار۔ اِس میں ذرا بھی شک نہیں کہ ڈانٹے ملٹن اقبال اور ایلیٹ جیسے سر برآوردہ شعراء کی طرح آپ کے اشعار بھی عقیدت کی تابانی اور ایک وسیع پس منظر لئے ہوئے ہیں۔ لیکن اِن کی سب کے بڑی تمازت اور شعلہ افروزی ان کی سچائی ہے۔ کشمیر میں للہٰ دبد کے ہم مقام بلکہ آپ سے بھی زیادہ بڑے شیو فلسفی اُٹھے ہیں۔ مگر ہمارے اکثر لوگوں کو اِس فلسفے کی جان کاری للہٰ عارفہ کی شعری سوغات کی بدولت ہوتی ہے،،۔

للہٰ دبد کے حالاتِ زندگی قیاس آرائیوں کے دُھندلکوں میں لپٹے ہوئے ہیں اور آپ کے بارے میں بیشتر معلومات، لوک روایات کے ذریعے ہم تک پہنچی ہیں۔ مختلف تذکروں اور تاریخی حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے چودھویں صدی عیسوی کے ربع اول میں آنکھ کھولی اور لگ بھگ اِس صدی کے آخری عشروں میں اُپنے طبعی انجام کو پہنچی۔ آپ کے بارے میں سب سے پہلے بابا داود مشکواتی کے اسرار لابرار مطبوعہ ۱۷۳۰ء میں اشارے ملتے ہیں اور خواجہ محمد اعظم دیدہ مری کی تاریخ واقعات کشمیری میں پہلی بار آپ کا تذکرہ دیکھنے کو مِلتا ہے۔

للہٰ دبد سری نگر سے تقریباً چھ میل دُور جنوب مشرق کی طرف سیمپور گاؤں میں ایک پنڈت گھرانے میں پیدا ہوئی اور وہاں سے دو میل دُور پانپور کے مقام پر تقریباً بارہ سال کی عمر میں سونہ پنڈت نامی ایک برہمن زادے سے بیاہی گئی۔ آپ کی ازدواجی ناخوشگوار حالات سے دُوچار رہی اور آپ کو اپنی ساس کی بے جا سختیوں سے سابقہ رہا اور آپ یہ سب برداشت کرتی رہیں

جس کے بارے میں آپ کے صبر و تحمّل کے مِثالی واقعات مشہور رہیں۔ کم سنی ہی میں آپ نے اُس وقت کے ایک مشہور پنڈت شتی کنٹھ کے بیٹے سدھ سری کنٹھ یا سدھ بابا سے رُوحانی اُپدیش لیا جس نے آپ کے مُتلاشی باطن کو صحیح راہ پر لگا دیا۔ شادی کے کچھ عرصہ بعد ہی آپ نے دُنیاوی زندگی کو تیاگ دیا اور جذب و مستی کی حالت میں کبھی کبھی برہنہ بھی گھومنے پھرنے لگی۔ کہا جاتا ہے کہ آپ نے حضرتِ امیر کبیر میر سید علی ہمدانیؒ سے بھی ملاقات کا شرف حاصل کیا تھا۔ آپ نے اپنے روحانی تجربات کو واکھوں کے شعری پیکر کی صورت میں پیش کیا۔ آپ کا کلام مستی اور سرشاری کے جذبات میں ڈوبا ہوا ہے جسمیں تصوف اور معرفت کے اسرار و رموز کا وہ خزانہ موجود ہے جو سنتوں اور صوفیاے کرام کے ریاض و عمل کے حسین امتزاج پر مُشتمل جانا جاتا ہے اور انسان دوستی سچائی اور باطنی پاکیزگی کے خیالات سے لبریز ہے۔ یوں تو لل کو ایک شیو یوگنی کے طور پر جانا جاتا ہے اور آپ کے کلام کا لبِ لباب شیو اور شکتی ہے۔ لیکن مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ لل دید کا کلام شیومت اور اِسلامی تصوف کا امتزاج ہے جو بادی اُلنظر میں رَوح عصر کی ایک ملتی جُلتی تصویر پیش کرتا ہے اور دھیمی آواز میں عصری تفکر کے خلاف ایک احتجاج بھی ہے۔ آپ ۱۳۸۴ء میں بجبہارا کے مقام پر اپنے مالک حقیقی سے جاملی۔

للہٖ عارفہ کا کلام عرصہ دراز تک سینہ بہ سینہ مُنتقِل ہوتا رہا اور اِس کے دیر بعد اس کو انفرادی سطح پر جمع کرنے کی کوشش ہوتی رہی۔ آج سے تقریباً ڈھائی سو برس پہلے بھاسکر رازدان نے للیشوری واکیانہ کے نام سے تقریباً ساٹھ

واکھوں کو جمع کر کے سنسکرت اشلوک میں اِن کا ترجمہ کیا۔ اِس کے بعد سر جارج گریرسن نے پنڈت مکنت رام کی معاونت سے لل دید کے ۱۰۹ لاکھوں کو مع انگریزی ترجمہ کے شائع کیا جس میں بھاسکر کے ۶۰ لاکھ بھی شامل تھے۔ اِس ترجمہ کے آغاز میں ڈاکٹر بارنٹ کا بھی للہٖ عارفہ سے متعلق ایک منسوت مقالہ بھی شامل اشاعت ہے۔ گریرسن کے بعد رچرڈ ٹمپل نے انگریزی زبان میں کچھ للہٖ واکھ کا منظوم ترجمہ کیا۔ اِس کے بعد جے۔ ایچ۔ نولز اور پنڈت جے لال کول نے بھی اس سمت میں پیش رفت کی۔ ۱۹۶۱ میں ریاستی کلچرل اکادمی نے لل دید کے کلام کا پہلا اڈیشن شائع کیا جسمیں ۱۳۵ کے قریب واکھ شامل ہیں۔ ۱۹۷۳ء میں پروفیسر جے لال کول نے لل دید سے متعلق ساہتیہ اکادمی دہلی کے توسط سے ایک کتاب شائع کی۔ ۱۹۷۵ء میں پروفیسر جیا لال کول اور نند لال طالب نے لل واکھوں کے انتخاب کو ایک منظوم ترجمے اور تشریح کے ساتھ شائع کیا۔ اِس کے علاوہ پنڈت آنند کول۔ اے۔ کے وانچو، سر مانند چراغی آزاد حافظ عنایت اللہ۔ قاضی نظام الدین۔ پروفیسر حاجنی، اوتار کرشن رہبر۔ کشمیر سمتی دہلی ۔ جے۔ ایل کول اور گوپی ناتھ رینہ کی مساعی جمیلہ بھی لل دید کے کلام کی تدوین و باریافت میں قابل ستایش ہیں ۱۹۸۴ء میں پروفیسر جیا لال کول نے لل دید کے کلام کا دوسرا اڈیشن منظوم اردو ترجمے کے ساتھ ترتیب دیا جسے ریاستی کلچرل اکاڈمی نے شائع کیا۔ اس میں ۲۵۸ کے قریب للہٖ واکھ موجود ہیں جو ایک بہترین کاوش ہے۔

طاؤس بانہالی نے بھی للہِ عارفہ کے کلام کو منظوم اردو ترجمے کی شکل سے آراستہ کیا ہے جسے پاکستان اسلام آباد کے لوک ورثہ ادارے نے بہت ہی شاندار گیٹ آپ کے ساتھ شائع کیا ہے۔ طاؤس بانہالی نے ترجمہ سے پہلے ''پہلی بات'' کے عنوان سے تقریباً چار ذیلی ابواب پر مشتمل للہِ عارفہ کی حیات اُس کے شیب وشباب اور اُس کے دور سے متعلق روایات اور تاریخی حقایق کے تقابلی تناظر کو سمیٹتے ہوے چودھویں صدی عیسوی میں کشمیر کے سیاسی حالات واقعات۔ کشمیریوں پر بدیسی حکمرانوں کے مظالم، کشمیر میں رائج مذاہب ،شوازم۔ ترکا فلسفہ۔ سادات کرام کی کشمیر میں اشاعت اسلام کی داغ بیل۔ شہمیری حکومت کا قیام اور کشمیر کے ادب وثقافت کو چار چاند لگانے والے سلطان زین العابدین بڈشاہ کے کارناموں۔ لل دید کی جاے پیدایش۔ آپ کی ازدواجی زندگی اور روحانی کمالات سے جُڑی روایات اور لل دید سے متعلق مختلف مورخین کی آراء کے حوالہ جات کو اپنے منفرد انداز میں سُپردقلم کیا ہے جو آپ کے سنجیدہ تاریخی اور تجزیاتی مطالع کا مظہر ہے۔ اور اس کے بعد منظوم ترجمہ کو پیش کیا ہے۔ بقول آپ کے ''للہِ عارفہ کشمیری زبان وادب اور گیان وعرفان کی ایک درخشندہ علامت ہے۔ وہ اہل کشمیر کے لئے ماں جی (لل موج) یا بڑی ماں (لل دید) ہیں...... آج بھی نقاد اِس بات پر متفق ہیں کہ وہ نہ صرف قدامت کے اعتبار سے قدیم کشمیری کی پہلی بڑی شاعر ہیں بلکہ وہ جدید کشمیری زبان وادب کی ایک ایسی معمار کہلائی جاسکتی ہیں جن کے واکھ اور اقوال، روزمرہ محاورں اور ضرب الامثال کا ممنبع بھی ہیں۔ اور اِس لحاظ سے

نا قابل تسخیر بھی ہیں کہ اِن ''رائج الوقت سکوں'' میں معنویت کی ہمہ جہتی کو تشبیہات اور استعارات کے ایسے سانچے میں ڈھالا گیا کہ صدیوں پرانے شاعرانہ تجربات پر لگی ہوئی شدِت احساس کی مُہر خود ہمارے ذہن پر بھی ثبت ہو جاتی ہے...... کشمیری شاعری اِس لحاظ سے خوش بخت ہے کہ اِسے للہِ عارفہ جیسی ماں نصیب ہوئی جو آج بھی فکر وفن کے لحاظ سے واقعی نا قابل تسخیر ہے''

طاؤس بانہالی نے للہِ عارفہ کے تقریباً ۲۳۵ واکھوں کو منظوم اردُو ترجمے کی شکل میں ڈال کر غیر کشمیری حضرات کو بھی للہِ عارفہ کے کلام کی عظمت اور اُن کے فکر وفلسفہ سے روشناس کرانے کی سعی جمیل کی ہے جو بہت ہی قابل فہم اور آپ کے فنِ ترجمہ کاری کی غماز ہے۔

انتخاب منظوم ترجمہ کلام للہ عارفہ

(واکھوں کی شروعات حروف تہجی کی ترتیب سے)

(١)

آمہِ پَنہٕ سۆ درس ناوِ چھس لمَاں
کتہِ بوزِ دے میون مےٚ تہِ دیہِ تار
آمین ٹاکین پونی زنَ شمَان
زوٗ چھم برمان گرٛہہِ ہاگار

کھینچ رہی ہوں بیچ سمندر کچے دھاگے سے کشتی
کاش خدا میری بھی سُن لے پار اُتارے مجھ کو بھی
مِٹی کے کچے برتن سے رستے ہوئے پانی کی طرح
خواہش کی بوندیں برمائیں حسرت ہے گھر جانے کی

آئیس وَتے گئیس نہ وَتے
سُمن سو تھِ منز لُوسُم دوہ
چندس وُچھم تہٕ ہار نہ اَتے
ناوِ تارس دِمہٕ کیا بو

میں جس عام ڈگر سے آئی پھر اُس سے واپس نہ گئی
گھاٹ تک آنے سے پہلے ہی ڈوب گیا دن شام ہوئی
گھبرا کر جو جیب میں دیکھا دام و درم کچھ پاس نہیں
کشتی میں کیوں کر بیٹھوں گی کس صورت پار اتروں گی؟

آیَس کَمہَ دِشہِ تہٕ کَمہِ وَتے
گژھ کَمہِ دِشہِ کو زانہٕ وَتھ
اَنتہٕ داے لگِمے تَتے
چھیٚنِس پھوکس کانژھ تہٕ نوسَتھ

کس جانب سے آئی ہوں کس راہ سے جانا ہے مجھ کو
کچھ بھی نہیں معلوم اے کاش اِس راز سے کچھ آگاہی ہو
آخری پل بھی بھید کھلے تو سمجھوں گی انجام بخیر
ورنہ سانس کی وقعت کیا بے مصرف سانسیں گنتے رہو

آیَس تہٕ سیٚوُدُے تہٕ گژھہٕ تہٕ سیٚوُدُے
سیٚدِس ہوٚل مےٚ کریم کیٚا
بوٚتِس أسس آگُرٕ وِیٚودُے
وِدِس تہٕ ویٚندِس کریم کیٚا

سیدھی راہ سے آئی ہوں واپس بھی اِسی رہ سے جاؤں
مجھ کو کسی کج رو سے کیا لینا میں سیدھی راہ پہ ہوں
روزِ ازل سے شناسائی ہے وہ مجھ کو پہچانتا ہے
میں اُس کی دیکھی بھالی ہوں کیوں کوئی اندیشہ کروں؟

اتھٕ مَبا تراوُن خربا
لُوکہٕ ہٕنزٕ کونگ وأر کھیٚیی
تَتہٕ کُس با دارِ تھَربا
یَتہٕ نِنس کرتل پیٚیی

کُھلا نہ ہرگز اِس کو چھوڑو نفس کو قابو میں رکھو
غارت کردے گا یہ گدھا لوگوں کی کیسر کیاری کو
کوئی نہیں ہوگا جو تمہارا جرم وہاں لے اپنے سر
تیغ جہاں اُوپر ہو برہنہ جسم تمہارا نیچے ہو

أکُے اومکار یَس نابہٕ دَرے
کُمبے برہمانڈس سُم گرے
اکھ سُوے منتھر ژتبس کرے
تَس ساس منتر کیاہ کرے

ایک ہی نام کا ورد کرے اور ذات صفات کا فرق مٹائے
سانس کی ڈور آوازرداں سے مل کر جیسے پُل بن جائے
ایک یہی منتر ہے خالق اور مخلوق کی قربت کا
ہیچ ہزاروں منتر ہی اُس کو جو شخص یہ منتر پائے

أندری آیس ژٕندرے گاراں
گاراں آیس ہیٚن ہیہی
ژٕے ہے ناران ژٕے ہے ناران
ژٕے ہے ناران یم کم ویہی

چاند کی دُھن تھی دل میں سمائی اور میں اکثر سوچتی تھی
شاید چھاپ تھی میرے دماغ میں چندر کلا کے تصور کی
اے مالک تو جو کہتا ہے ملے گا جیسے کو تیسا
پھر مجھ میں اور تجھ میں دوری کیسی، یہ کیا بات ہوئی

اوٕر تہِ پانَے یوٕر تہِ پانَے
پتے وانے رودِ نہٕ زانہہ
پانے گپت پانے ؤیاپی
پانے پانس مۆد نہ زانہہ

یہاں وہاں سب اُس کے جلوے وہ ہر شے میں ہے موجود
وہ مستور نہیں رہ سکتا وہ ہے شاہد اور مشہور
آپ ہی ظاہر آپ ہی باطن پردے میں بھی نمایاں بھی
وہ حی وقیوم ہے بے شک وہی ہے سرِ بوُد ونبود

(ب)

بتریشہِ بوچھِ موکٕریشہِ ناون
یانٕ ژٕہیٚہ تانٕ سند ارن دِہ
پھرٕ ٹھ چون دہارٕن تہٕ پاٗرن
کروو پکارن سوے چھےٚ کٕریٚے

اپنے جسم کو بھوک اور پیاس کی حالت میں مت ترسانا
جب بھی تھکن یا کمزوری محسوس ہوا اس کی خبر رکھنا
کسی کو تیرے بھرت افطاری سے کوئی بھی نہیں مطلب
ہاں لوگوں سے بھلائی کر لے اس میں ہے تیرا بھی بھلا

بان گۆل تاَے پرٕکاش آوٗزونے
ژٕندرٕ گۆل تاَے مۆتے ژٕتھ

سُورج جب کرنوں کو سمیٹے شام ہونے پر نکلے چاند
ہوتے ہوتے چاند کی نیں آخر پڑ جاتی ہیں ماند

ژٕتھ گۆل تاَے کیٛنٛہہ تہِ ناگُنے
گے بھور بھوہ سورویسر زِتھ کبتھ

وہ جو چراغِ آخرِ شب ہے جب وہ سحر دم راہ لگے
اسفل وافضل تک وہ سب دیواروں کو لیتا ہے پھاند

بڑہمہٕ بُرجَس پیٹھٕ ولہ تنوُوم
دِلچے تارِہ سیٹھٕ دوپمَس لَم
''ہمُسو'' ترأوتھ ''سُوہم'' پڑٕ وُوم
دوپنم للے أتٕھِ تھےٕ شرٕم

سب سے اُونچے مقام پہ برہما برُج پہ، پہنچایا اُس کو
کھینچو، میں نے دل سے کہا اب تارِرگِ جاں سے کھینچو
میں ہوں کی رٹ کو چھوڑا اور میں وہ ہوں کا وِرد کیا
سب آواز آئی۔ لل ٹھہرو اُسی مقام پر ضبط کرو

(پ)

پراں پراں زٕبو تال پھُجم
ژٕنے یُگِی کرٕے تٕجم نہ زاہ
سمرن پھران نٕوٹھ روٗنگٕج گٕجم
منٛچ دُیی مالہِ ژٕجم نہ زاہ

تیری ثنا خوانی جی بھر کے میری زبان ودہن نے کی
لیکن تیری شان کے شایان تھی جو عبادت ہو نہ سکی
اُنگلیاں ہاتھ کی دائم رہتی ہیں تسبیح کے دانوں پر
لیکن دُور نہیں ہو پاتی اب تک میرے دل سے دوئی

پَرِنُ سولب پالُن دورلب
سہٕز گارن سِکھم تہٕ کرٕوٗٹھ
اَبھیاسکہِ گنہِ رَے شاہستر مۆٹھم
ژٕیتن آننٛد نیچے گوم

پڑھ لینا آسان ہے لیکن عمل کرو تو بہت مشکل
پھر اس سے آگے ہے ذات کا کھوج لگانے کی منزل
میں تو عمل کی مشق میں پوتھیاں مذہب کی سب بھول گئی
حق پر میرے یقین سے مجھ کو آخر مل ہی گیا ساحل

پَون پۆرِتھ یُس اَنہِ وَگہِ	سانس کی ڈور کو جس نے برابر مشق سے قائم رکھا ہے
تَس بو نا سپر شہِ نہ بوچھ تہٕ ترٛیش	حبس نفس کے اُس عامل کو بھوک اور پیاس کا ڈر کیا ہے
تہٕ یَس کُرن اَنتہِ تگہِ	آخر دم تک قائم رکھے سانس کا یہ مخصوص عمل
سمسارس سُے زیٚیہِ نیٚچھ	وہی ہے مولودِ اور جینا اُس کا جینا ہے

پانَے آوو پانَس سیتیٚ	وہ تو اپنے جلو میں آپ ہی اپنے جہاں میں آیا ہے
پانَے پٔنُن کوٚرن وہٕرار	اپنے خیال کو آپ ہی اُس نے دنیا میں پھیلایا ہے
پانَے پٔنُن پان نیٚچھنو وُن	وہی ہے جس نے اپنے ظہور کے جلوے خود ہی عام کیے
پانَے گیٚن پٔنُن پان	اپنے آپ کو خود ہی اُس نے سارے جہاں سے چھپایا ہے

(ت)[1]

تلہٕ چھےٚ ژُیس تےٚ پٔٹھ چھُکھ نژاں	ایک کنواں ہے جس کے دہانے پر تو ہے پیہم رقصاں
ونتہٕ مالہِ وو نہٕ کتھٕ پڑاں چھےٚ	اِس کیفیت کا تجھ کو بھی کوئی ہوش ہے میری جان
سوُرے سوٚمبرِتھ ییٚتہِ چھےٚ موژاں	تجھ کو خبر ہے ساری پونجی یہیں دھری رہ جائے گی
ونتہٕ مالہِ اَن کتھٕ روژاں چھےٚ	پھر بھی تیرا دھیان ہے کھانے پینے کی جانب ناداں

[1] (یہِ واکھ چھُہ ریٚش نامَس منٛز تہِ درج آمُت کرنہٕ)

ترٖ سِلَل کھوٚت تےٚ ترے
ہمہٕ تریٚیہٕ گے بِہن بِہن ومرشا
ژیتنہٕ روباتہٕ سب سمے
شوٕے ژراژر زگ پشا

سردی کی شدت سے پانی یخ بستہ ہو جاتا ہے
برف پگھلنے پر پانی پھر اصلی روپ میں آتا ہے
ان تینوں کو شعور کا سورج جیسے کر دیتا ہے ایک
ویسے ہی عرفان بھی روح کو ذاتِ حق سے ملاتا ہے

تنہٕ مَنہٕ گییس بوتَس کُنے
بوٗزم سیچ گنٹا وَزاں
تتھ جایہ دھارنا یہ دھارن رٹم
آکاش تہٕ پرٕکاش کوٚرم سرٕ

تن من سے جب اُس کے خیل میں ڈوبی دھیان میں غرق ہوئی
تب میرے کانوں نے سچ کی گھنٹی حق کی صدا سنی
خودُونوش کے ہوش سے گزری آخر آ ہی گیا وہ مقام
جب میں خلا اور اس سے آگے نور کی منزل سے گزری

تم چھنہٕ مُنش تم چھی ریشی
یِمن دیہہٕ منہٕ نشہٕ گو
بڈتھِ تہٕ بڈتھ بیا کھ کیاہ رچھی
پھٹےٚ ہتس بانس پیٚی گیو

یہ روشن دِل لوگ رشی ہیں قدر کرو اِن لوگوں کی
جن کے دل ہیں بحر سے خالی، فکر نہیں جن کو تن کی
تُم جو شکست و ریخت میں اپنی عمر گنوا بیٹھے ہو اَب
ڈالے کوئی تو کیا ڈالے ٹوٹے ہوئے برتن میں گھی؟

ٹیوٚٹھ موٚدُر تے میوٚٹھ زہر
یَس یوٚت ژھنکھ جتن باو
ییمہٕ یتھ کرٕ ہے گُل تہٕ قہر
سُہ تتھ شہر واتتھ پیو

کڑواہٹ بھی بدل سکتی ہے شیرینی میں کوشش سے
ڈھل سکتی ہے مٹھاس میں تلخی لیکن کوئی جتن کرے
بات لگن کی ہے یہ ارادے کا ادنیٰ سا کرشمہ ہے
شہرِ تمنا دل میں بسایا اور اُس شہر میں جا پہنچے

(چ)

چھس کینٛہہ نتہٕ اٲسس کینٛہہ نَے	کچھ بھی نہیں میں پہلے بھی آج بھی میں ویسی ہی ہوں
کینٛہہ نس کینٛہہ گوم ترٛتھِ کٔتھ	لیکن مجھ کو اپنے ہونے نہ ہونے کا احساس ہے کیوں
شِو پوٗزم تے وُچھم ناران	میں نے شو کی پُو جا بھی کی نارائن کی دیکھا بھی
کینٛہہ نس کینٛہہ نتہ کینٛہہ گوم ترٛتھ کٔتھ	میں تو کچھ بھی نہیں ہوں لیکن میں یہ کیوں محسوس کروں

چھُو کُنے چھو کُنے	اُس کی ذات ہے واحد وہ موجود ہے اور نہیں موجود
وُچھم اور یور ناکُنے	میں نے اُسے اطراف و جوانب میں ڈھونڈا لیکن نابود
دَیہ پھل تَے مول ناکُنے	بیج اور پھل کی بحث نہیں ہے یہ کھیتی وحدت کی ہے
ژٕے ژٕہن تو گارن ناکُنے	سارا عمل احساس کا ہے یہ ڈھونڈتے رہنا ہے بے سود

(د) ا

ڈٲمی ڈیٹھم ند ووہ وِنی	پَل میں دھیرے بہتی ندیا، پل میں ڈوبتے گھاٹ ملے
ڈٲمی ڈِیوٗٹھم سُم نتہٕ تارٕ	پَل میں کانٹا بھی نہ بچا تھا پلک جھپکتے پھول کھلے
ڈٲمی ڈیٹھم ٲہر پھو لہٕ وِنی	یہ سب کچھ آنکھوں سے دیکھا جیسے خواب کا عالم تھا
ڈٲمی ڈیوٗٹھم گل نہِ نتہٕ خار	(ایک برابر دیکھا اور نہ دیکھا کوئی کیا دیکھے)

(یہ واکھ چھُ ریش نامَس منز تہِ درج آمت کَرنہٕ)

دِشہِ آیَس دَش دِشہِ ژُلتھ
ژُلتھ ژوٹم شُنہِ اَدِ واو
شوٗے ڈیوٗٹھم شایہ شایہ میلتھ
شےٚ تہٕ ترےٚ ترٛ وپمَس تہٕ شوٗے دڑاو

میں جو خلاء ملاء سے ہوکر آ پہنچی ہوں اتنی دور
ہر سُو دیکھا شو کا جلوہ ہر جانب تھا اُس کا نُور
چار اطراف اور چاروں کونے ارض وسما کی دو سمتیں
اپنے وجود کے نو دروازے بند کرو تو اُس کا ظہور

دَمہٕ دَمہٕ اومکار مَن پرٕ نووٗم
پانے پراں پانے بوزاں
سوٗہم پرٕنس اہم گوُلم
ادہ لل وأژس پرکا شتھان

دل کو ہر ساعت ہر پَل آواز رواں کا درس دیا
اکثر اپنے کانوں تک ہی اس کا اثر محسوس کیا
لیکن میں وہ ہوں میں وہ ہوں کہتی رہی تو آخرکار
کٹ گئی جڑ میں ہوں میں ہوں کی دِل مطلع انوار ہوا

(ر)

رُت تہٕ کرٛت سورے پزٕ بم
کنن نہٕ بوزُن اَچھن نہٕ باوٕ
اورُک دَپُن ییلہِ وونِد وزِبم
رٕتن دیپ پزٕ زلبم وَرزٕ نہِ واوٕ

کچھ مجھ کو فی الوقت نہیں ہے اچھے اور برے کا دماغ
کانوں سے کچھ سنانہ جائے ہیں بے نور آنکھو کے ایاغ
ہاں جب دل میں گونج اُٹھے گی اُس کی ندا بن کر پیغام
دیکھنا پھر طوفان میں کیسے روشن ہوگا میرا چراغ

راز ہمس اَستھ سُپدکھ کوٚلے
کستام ژوٗلے کیا ہتام ہیتھ

تو ہنسوں کا راجا ہوکر کیوں ہکلایا گنگ ہوا
ایسی کیا شے تیرے پاس تھی جو کوئی لے کر بھاگا

گرٛٹہ گوٚبنٛد تہٕ گرٛٹن ہیوٚت گوٚلے
گرٛٹہٕ وول ژٕوٚلے پھل پھوٚل ہیتھ

پَن چکی کے رُک جانے پر پاٹوں کا مُنہ خالی ہے
چکی کے مالک نے تجھ کو یوں دن دیہاڑے لوٹ لیا

رٕنگس منٛز چھےٚ بیوٚن بیوٚن لبَن
سوٚرے ژالکھ برکھ سوٚکھ
ژکھ رش تہٕ ویَر گالکھ
اِدٕ ڈیشکھ شو سُند موکھ

اِس ناٹک میں الگ الگ چہرے ہیں سب کو پرکھنا ہے
صبر و تحمل ہو تو کام یہ دلچسپ اور مزے کا ہے
نفرت غصے اور کینے سے تُم جو دل کو صاف رکھو
شو درشن یا جلوہ حق ممکن ہے دل آئینہ ہے

روز نہ آیَس گرٛھُن گرٛھسم
پکُن گرٛہم واو لُو کپٲل
کیٚنہہٕ نَس پیٹھےٚ نَژن گرٛہسم
اژن گرٛہسم سوٚکشم پژکار

رہنے کی خاطر آئی ہوں اور لازم ٹھہرا جانا
جاری رہے ہوا کی صورت یہ میرا جانا آنا
بے بنیاد فضا میں رقص ہوا کی صورت ممکن ہے
نازک پُراسرار عمل کا تنا رہے تانا بانا

(ز)

زٕنم پژٲوِتھ وِبوٚنا ژھوٚنڈم
لۆبن بوٚگن بُرم نہ پژے
سوٚمُے آہار سیٚبڑھا زوٗنم
ژوُلم دوکھ دوٚد یوٚلم دٕے

زیست کو کچھ سمجھا تو کسی بھی جاہ و حشم کی خو نہ رہی
حرص و ہوس سے دوری میری اطمینان کی دولت تھی
میرے خورد و نوش میں قائم ایک توازن دائم تھا
دھیرج سے دُکھ درد سہے اور اپنے رب کی عبادت کی

زَل ہو مالہِ لوسُے نہٕ پکاں پکاں
سری یہ لۏسُے نہٕ وولگاں سُمیر د
ژٔندرمہٕ لۏسُے نہٕ مراں تہٕ زِیوان
مُنش لۏسُے نہٕ کراں ہِندا

پانی ہے جو تھکن سے ناواقف چلتا رہتا ہے مدام
سَر کرتے جو نہیں تھکتا پربت کو سُورج اُس کا نام
چاند ہی ایسا ہے جو مرنے اور جینے سے نہیں تھکتا
آدمی ہے وہ شے کہ مسلسل نکتہ چینی جس کا کام

زِگس اندر کاتیاہ پأٔلم
سأری ژہانڈاں دَیہِ سنٛزٕ وَتھ
لچھِ منٛزٕ أکس دَیازأنُم
مأنُم تیٖی دپزِ ایشور گتھ

دیکھتی ہوں کتنے لوگوں کو روز ہی میں حیراں حیراں
سب کو تلاش ہے راہ خُدا کی سب اس راہ میں سرگرداں
رحم اور مہر کی جس میں بو ہو ملے کہیں لاکھوں میں ایک
کھیل سمجھ کر قدرت کا بیٹھی ہوں اسے خنداں گریاں

زنم پرٛأوتھ کرٛم سورُم
دھرم پوٗلُم سوئے چھَم ستَھ
نیترن اندر پرٛیَم دوَرُم
ژورُم تہٕ مَونُم یہوئے اکھ

اِس دنیا کو اپنایا اور اپنے عمل پر رکھا دھیان
اچھے کام کو اپنی عبادت سمجھا دھرم کا رکھا مان
نظر رہی اُس پر ہی ہمیشہ جو نظروں میں سمایا سے
ایک وہی میرا اپنا ہے وہی تو ہے میرا ایمان

(س)

سومَنہ گارُن منز یَتھ کنڈے
یَتھ کنڈِ دَپاں سوروپ ناو
لۆب مۆہ ژلی شوب ییٚی کنڈے
یتھۍ کنڈِ تیز نے سور پژ کاش

اُس کی تلاش اپنے اندر ہی کرلے تو سچے دل سے
وہ جو سروپ ہے، جس کو فقط باطن کی آنکھ ہی دیکھ سکے
تُو جب حرص و ہوس، لالچ شہوت پر قابو پائے گا
روشن تیرا وجود بھی ہوگا ہر سو دیکھے گا جلوے

سمسارس آلیس تپسی
بوذِ پژ کاشِ لۆبُم سہز
مَربم نہ کہنہٕ تہٕ مرِنہٕ کانسہٕ
مرِ نیچھ تہٕ لسہٕ نیچھ

دُنیا کی تفہیم کی خاطر میں نے کڑی ریاضت کی
اور حقیقت ذات بھی مجھ پر فہم کے نور سے روشن تھی
میں کیوں کروں کسی کا ماتم کوئی مجھے کیوں روئے گا
مرنا جینا دونوں اچھے ہیچ ہے غم اور عبث خوشی

سورگس مازن کیاہ چھے باسنو
نرگس واسُن آسُن دوش
ژکھ رِش ناسُن شومے أسنو
پانے آسُن کاسَن بھید

کتنی رغبت ہے جنت سے کیا کچھ ہے تم کو منظور
کیا اُس کا ہے ٹھکانہ دوزخ جس نے کئے ہیں یہاں قصور
غصہ اور نفرت جو نہیں ہے تُم میں تو شو تم میں ہے
فرق دوئی کا دور کرو تو خود میں نظر آئے وہ ضرور

سَرس سیتیٖ سودا کوٗرُم
ہرس گرم گوڈٕ سیون
شیرس پیٹھ کنہٕ نژاں ڈیوٗ ٹھم
گرٛھاں ڈیوٗ ٹھم آیم پژھ

پہلے اپنے رب کی عبادت کی یعنی ہر کی سیوا
افضل واعلیٰ ہے جوسب سے اُس سے سودا کرڈالا
میں نے شِو کو اپنے کائۂ سر پر رقص کناں دیکھا
وہ سر سے ہو کر گزار تب مجھ کو پختہ یقین ہوا

(ش)

شِو چھے تھلہِ تھلہِ روزاں
مَو زان ہیوٗند تہٕ مسلمان
ژُرک اے چھُکھ تہٕ پان پرٛزٕ ناو
سوے چھے صاحبَس ذاٗنی زان

وہ جو شِو ے ذات احد ہے اُس کا جلوہ ہے ہر جا
قید نہیں مذہب کی اس میں ہندوٗ و اور مسلماں کیا
تجھ میں اگر ہے فہم و فراست اپنے وجود کا کھوج لگا
اپنے آپ کو جو پہچانا صاحب کو پہچان لیا

شیل تہٕ مان چھے پوٗنِ کرٛنجے
موچھ تیمِ روٹ ملیٖ یُدواو
ہوٗست یُس مست والہٕ گنڈِے
تِی یَس تگہِ تَے سُے اُدٕ نہال

نام ونُمود اور شہرت بس اتنی مستحکم ہے جیسے
چھلنی جیسی ٹوکری میں تو پانی بھر بھر کر رکھے
قید ہوا کو جو کر پائے بال سے باندھ لے ہاتھی کو
اتنا کس بل جس میں ہو وہ نام ونمود کی بات کرے

شوچھے زا ویٖل زال وہراٗوِتھ
کرٛزن منز چھُے ترٲتھ کبتھ
زِندہ نَے وُچھہن اَدٕ کتہِ مُرِتھ
پانہٕ منٛز پان کڈوِ بڑٲرتھ کبتھ

وہ باریک سے جال کی صورت اپنے وجود کی پھیلائے
ہر قالب میں ڈھلا ہوا ہے لیکن نظر نہیں آئے
جیتے جی تو دیکھ نہ پائے تو کیا مر کر دیکھے گا
ڈھونڈ لے تجھ کو جو بھی ملے اپنے ہی وجود سے مل جائے

شِو گُر تاَٰئے کیٔشو پلنٕس
برہما پایرٕ بن ووٕلبس
یوٗگی یوگہ کلہِ پرز انبس
کُس دِیو اَشوٕ وار پیٹھ چیڈٕ ئیس

شِو وِشنو برہما کی مثال ہے گھوڑا کاٹھی اور رکاب
کامل انسانوں کے دو ودکی صورت کھلتا ہے یہ باب
کون سوار اِس اشہب دوراں پر ہوگا اِس بات کا علم
عارف کو ہے یوگ سے مل جاتا ہے یہ گوہر نایاب

شرٛان تَے وھیان کیاہ سَن کوٗیَ
زنتس رَٹھ ٹر کرئے وگ
منَس تہٕ پوٗنس ملوَن کرَے
سہزس منز گٲرتیرتھ شنان

یہ جسمانی طہارت اور یہ رسمی عبادت ہے بے کار
جب تک باگ پکڑ کر وھیان کے گھوڑے پر تُو ہو نہ سوار
سانس اور روح کو باہمدیگر کر پائے جو شیر و شکر
کامل سچائی کے مقدس بحر میں اُس کا بیڑا پار

(ص)

صبُر چھے زیُر مرژ تہٕ نوُنے
کھبنہٕ چھُے ٹیوٗ ٹھ تہٕ کھٮ۪یس گُس
صبُر رہالہ مالہِ چھے سونہ سند دوُرے
مولہٕ چھُے تھوٗد تہٕ ہیٚس گُس

کالی مرچ، نمک اور زیرہ پھانکتے جاؤ صبح وشام
صبر و تحمل کام چھا ہے لیکن ہے یہ مشکل کام
کڑواہٹ کے علاوہ صبر اِک جنس گراں بھی ہے حضرت
صبر ہے سونے کا بُت بھیا کہاں سے لاؤں اتنے دام

صاحِب چھُ بہتھ پانہ دُکانس
ساری منگاں کینژھا دِ
روٹ نو کانسہِ ہند رأچھ نووُنس
یہ ژیٚے گژھِی تہٕ پانے نِہہ

مالک خود بیٹھا ہے مسند پر اور سب اُس کے بندے
کھڑے دُکان کے آگے سوچیں بن مانگے ہی داتا دے
سب کے ارادے روشن اُس پر لیکن مالک کیسے کہے
کس نے تُم کو منع کیا ہے؟ کود لے لو جو جی چاہے

(ک)

کیٛاہ گرِ پانٔژن دہَن تہٕ کاہن
وو کھشن یتھ لیچہِ گرِتھ یم گئے
ساری سمہن یتھِ رزِ لمہن
اِد کیٛازِ راوِ ہے کاہَن گاو

کیا اعصاب وحواس کی گنتی فکر و عمل کی کیا تکرار
پانچ اور دس کی بات نہیں اِک گیارہواں ہے اِن کا سردار
قُوت فکر شعار ہے جس کا وہی نہیں ہے قابو میں
ان سب کی آپا دھاپی میں میرا وجود ہے زار و نزار

کیٚاہ بوٚ ڈُکھ موہٕ بھوٚسوٚ درِ دَرے
سوٚتھ لوہرِ تھ پیٚسی تمہٕ پأنٕکھ
یمہٕ بتھ کرٕنے کأئی چھورٕ درَے
کوزن کاسی ہٕر ئنٕز شیٚنکھ

یہ دنیالالچ کاسمندر ہے تو جس میں غوطے کھائے
خواہش کے ظلمت کی لہریں پھرتی ہیں تجھ کو اُلجھائے
آخر موت کے چیلے تجھ کو گھائل کر کے گھیٹیں گے
دشتِ فنا سے کس کو مفر ہے اس دشت کا نہیں اُپائے

کَھنہٕ کھیٚن کران گُن تو واتکھ
نہ کھنہٕ گرٕ ھکھ اَہنکأری
سوٚمے کھےٚ مالہِ سوٚمے آسکھ
سمی کھنہٕ مژرنے برٕنبن تأری

اَفراط اِس کی روگ ہے اور تفریط میں کبر کا اندیشہ
ایک توازن قائم رکھو تم کھانے پینے میں سدا
متوازن خوراک سے پیدا ہوگا توازن تم میں بھی
اس کی برکت ہے تم پر کھل جائے گا ہر دروازہ

کنٛدیو! کرَکھ کنٛدِ کنٛدَرے
کنٛدیو! کرَکھ کنٛدِ ولاس
بھوگےٚ میٹھر دِتتھ یتھ کنٛدرے
اتھ کنٛدِ روزِ سوٗر نہٕ تہٕ ساس

کب تک جسم کی آسائش میں رہنا ہے یوں ہی مشغول
کب تک آرائش کا ذکر اور کب تک زیبائش کے بھول
کتنا ہی تم شیر و شکر سے اس کی تواضع کرتے رہو
کیا انجام اس فانی تن کا رہے گی باقی راکھ نہ دھول

کوٗ چھُکھ دِواں اِنِنَے بُڑھ
ترُکھاَے چھُکھ تہٕ أنٛدٕری اژھ
شِوٚچھے أتِی تے گُن موگرٛ ھ
سنٕز کتھِ نیانہِ کرتوَ یڑھ

کیا اٹکل سے اندھے کی مانند ٹٹولتے پھرتے ہو
دانا ہو تو سیدھے اپنے اندر داخل ہو جاوٗ
دِل ہی تو اللہ کا گھر ہے دِل سے کہاں وہ جائے گا
میں نے دِل کی بات کہی ہے تم سے اِس کو سچ مانو

گُس مَر تہٕ گَسُو ماَرن
مارِ گُس تے مارن گَس
یُس ہر تراُوِتھ گرٕ گرٕ کرے
اَدٕ سُہ مَرِ تَے مارن تَس

کِس کی ہلاکت بیٹھے بٹھائے کون کرے گا کسے ہلاک
یہ فطرت کے خلاف عمل ہے کرلو تم اس کا ادراک
یہ جو خُدا کو بھول کے گھر کی فکر میں مر مٹتا ہے کوئی
''یہ ہتھیا ہے، فطری موت نہیں کہہ دو ہو کر بے باک

أکُی مَے پوٚرُم کأکُی مَے سوٚرُم
کأکُی مَے کرٕژُم پنُنے پان
کأکُی مے ہنہِ ہنہِ موئُن توٚرِم
اِدٕ لل وأُژٕس لامکان

اپنی زباں سے کلمہ پڑھ کر اُس کو بنایا حرز جاں
میں نے بھگویا کلمے کے پانی میں اپنا رواں رواں
میرے ہر بُن مو کے اندر جب کلمے نے سرایت کی
اُس کے بعد کہیں جا پہنچی لل میں ورائے زمان و مکاں

کوٗسم باغس ہیٛوت مےٚ اَژُن — پھول کھلے ہیں کوسم کے ہر سُو اور میں لل۔ یہ چاہوں
پڑی پیے مَن تہٕ اژُن پراو — باغ میں داخل ہو جاؤں لو یہ میں داخل ہوتی ہوں
سوروپ درشن چھُ توٚتےٚ اژُن — جی چاہتا ہے تو قبول کرے وہ رنگ و بو کی رسم وراہ
کوٚت چھُے گرژھن پکُن تراو — اس سے آگے کہاں جانا ہے اِس سے آگے کیا جاؤں

(گ)

گاٹلاہ اکھ وُچھم بوچھِ سیتھی مراں — میں نے ایک سیانے نردھن کو بھوکوں مرتے دیکھا
پنٛزن ہراں پہنہٕ واٗولہ — جیسے پتے جھاڑ رہی ہو سرما کی یخ بستہ ہوا
نیٚش بوداکھ وُچھم وازس ماراں — پیٹ رہا تھا اپنے باورچی کو ایک دھنی احمق
تنہٕ لل بوپراراں ژھیٛنم ناپراہ — تب سے سوچ رہی ہوں اس ناہموار جہاں میں کیا رہنا

گوٚرن وونم کُنُے وَژُن — میرے مُرشد نے فرمایا مجھ سے صرف یہی کلمہ
نیٚبرٕ دوپنم اندر اَژُن — تن کو چھوڑ کے من میں سما جا باہرے اندر آجا
سُے گوللہِ مےٚ واکھ تہٕ وَژُن — یہ کلمہ پھر میری شاعری واکیہ اور اشلوک بنا
توٚے مےٚ ہیٛوتم نٔگے نژُن — اِس کلمے کے کارن میں نے عریاں ہو کر رقص کیا

گورس پرٛژھام ساسہ لٹے
یَس نہ کینٛہہ وناں تَس کیٛاہ ناو
پرٛژھاں پرٛژھاں تھچٕس تہٕ لوٗسس
کینٛہہ نس نِشہِ کیاہ تام دژاو

میں نے ہزار بار مُرشد سے اُس کا نام بتادیجیٔے
جس کا بیان ہی ناممکن ہے اُس ہستی کو کیا کہیئے
کہہ کہہ کر تھک ہار گئی میں میرے کہے پر کچھ نہ کھا
اسی نہ کہنے میں پوشیدہ سارے بھید تھے کہنے کے

گیٛانہٕ مارگ چھے ہاکہٕ وأر
دِزبس شمہ دمہٕ کرٛیہِ پٔنٕز
لاماژٕ کرٛ پوش پرأنی کرٛیہ ڈٔار
کھٔنہٕ کھٔنہٕ موژی أرِ نے چھیٛنٕز

جس میں ساگ اور پات اُگیں وہ باڑی ہے عرفان کی راہ
دیکھنا تیری غفلت سے چو پائے نہ اس کو کریں تباہ
جتنے نتائج ہیں اعمال کے زائل ہوں تو ملے نجات۔
تب جا کر پھر کہیں ملے گی ردح کو آخری جائے پناہ

(ل)

لٔلِتھ لٔلِتھ وَدَے بوٗدأے
ژتا مہٕچ پیٛئی ماے
رٛوزی نوٗپتہٕ توٕلنٛگرچ ژھاے
نٕزسوٕرٕ رٕیپ کیٛا موٗ ٹھے ہاے

تیرا ماتم کرتی رہوں گی بین کروں گی میں اے دل
تجھ کو موہ لیا مایا نے، دور ہوئی تجھ سے منزل
لوہے کا یہ بھاری لنگر گھاٹ فنا کے اُترے گا
وہ جو روپ گنوایا تُو نے وہی تو تھا تیرا ساحل

لَل بولۍ ژھس ژہاراں تہٕ گاراں
ہَل مےٚ کۄرمَس رسہٕ نِشہٕ تہٕ
وُچھن ہیوٚتمَس تاڑۍ ڈٹھمَس برن
مےٚ تہِ کل گنیٚ یہ زوگمَس تتےٚ

میں لَل اُس کی تلاش میں اُس کو ڈھونڈتی پھرتی نڈھال ہوئی
سارا زور لگایا، استعداد سے بڑھ کر کوشش کی
دیکھنا چاہا تو نظریں ٹکرا گییں بند کواڑوں سے
میں بھی وفورِ شوق میں در پر ڈیرے ڈالے پڑی رہی

لولکُ نارِ للہِ لولہ للہٕ نَوُم
مَرنے موئَس رۄزس نہ زرے
رنگہٕ رژھ ذاتسےٚ کیاہ نہ رنگ ہوُم
"بوٚ" دپُن ژولُم کیاہ سَن کرےٚ

آتشِ عشق سے گود بھری اور انگاروں کو سہلایا
جیتے جی مرنے کے عمل سے موت کا ڈر بھی رفع کیا
ذات کی بے رنگی کو کتنے رنگ دیئے دیکھو لل نے
'میں میں' کررٹ سے بھی چھوٹی اس سے زیادہ کرتی کیا

لُراہ لۄزِم منز مأدانس
أندی أندی گُرمَس تکیہ تہٕ گاہ
سُہ روزہ ییتہ تےٚ یہٕ گژھہٕ پانس
ووٚنۍ گو وانس پھالو دِتھہِ

اِس میدان میں ایک عمارت میں نے بھی کرلی تعمیر
گرد و پیش کو دیکھا کرلی استحکام کی ہر تدبیر
"کب خصت یہ سب کچھ یہیں دھرا رہ جائے گا حضرت
چلے دکان بڑھائے صاحب کھینچے تالا اور زنجیر"

لا اِلٰہ اِلا اللہ صحی کۄرُم
وُہی کۄرُم پتُن پان

میں نے پڑھا توحید کا کلمہ کرلی خوب اپنی پہچان
آگ میں جل کر آگ ہوئی اور بھسم ہوئی شعلوں میں جان

وٕجوٗد ترأوتھ موجود رُٹُم
تیٚلہ مےٚ میوٗلُم لامکان

عشق کا سارا سفر تو ایک ہی جست میں جو جاتا ہے طے
میں نے وجود سے موجود اور مکان سے لامکان بھری اڑان

(م)

موٗڈس گیانچ کتھ نووٕنی زے
خرس گور دِنہٕ راوی دوہ
سیٖکہ شاٹھس پھل نووی زے
راوٕرِ زِنہٕ کوٚم یاٚجِن تیل

علم کی بات نہ کر جاہل سے وہ کیا جانے گیان عرفان
گدھے کو ہرگز گڑ نہ کھلانا، اس میں سراسر ہے نقصان
ریت میں فصل نہیں اُگ سکتی بیج نہ بونا صحرا میں
چوکر کی ٹکیوں کو گھی میں کبھی نہ تلنا اے انسان

مٕنسے مان بھوٗ سَرس
چھُر کوٗپ نیر بس نارٕ چھک
لبکہٕ لبکھ یوٚو تُلہٕ کوٹ
تُلہٕ تُل تےٚ توٗل ناکینْہہ

تیرے سمندروں کو تہہ میں کہیں دہکتی ہے جو آگ
اُس کا اثر ہے یہ دشنام طرازی تلخی کف اور جھاگ
اے انساں تو ضبط کے پلڑے میں رکھ غیض و غضب کو تول
صبر کے آگے غیض و غضب کی کیا قیمت ہے اس سے بھاگ

موٗڈو کڑیے چھےٚ نہ دھارُن تہٕ پارُن
موٗڈو کڑیےٚ چھےٚ نہ رَچھنی کاۓ
موٗڈو کڑیےٚ چھےٚ نہ دیہہ سنداُرن
سہز ویژارن چھےٚ وپدیش

فاقہ کشی یا جسم کی آسائش کا فراواں شوقِ فضول
یہ دونوں ہی کام ہیں اِس صورت اے ناداں نامعقول
یہ صالح اعمال نہیں ہیں یہ تو نہیں کرنے کے کام
ذات کی پہچان اور عرفان ہی ٹھہرے سب سے بڑے اصول

مأرِتھ پانٕژھ بھوتھ تم پھل ہٕنڈی
ژیتن۔ دانہ۔ وکھر کھبتھ
تدے زانکھ۔ پرٕم پد۔ ژٕ نڈی
ہشی کھوش کھور کھبتھ تہٕ نا کھبتھ

قربانی کا بکرا سمجھو پانچ عناصر پانچ حواس
اس بکرے کو خوب کھلاؤ عرفاں کے میدان کی گھاس
مضطر دل کو سکون ملے تو طور طریق کا جھگڑا کیا
پھول شراب اور گوشت کی رسم سے کیوں ہے کو خوف وہراس

مَکُرِس زَن مَل ژولُم مَنَس
اِڈ مے لبم زَنس زان
سہ ییلہِ ڈیوٹھم نشہِ پاَنس
سُورے سُہ تہٕ بونو کینہہ

دور ہوئی یوں دل سے کثافت جیسے دھول آئینے سے
آئینے میں عکس بھی دیکھا اور اُس کے درشن بھی کیے
وہ جو میرے قریب ہے جب یوں دیکھا اُس کو اپنے پاس
پھر میں کچھ بھی نہیں وہ سب کچھ ہر سُو اُس کے جلوے تھے

(ن)

نابدِ بارَس اَٹہٕ گنڈ ڈیول گوم
دیہہ کاڈ ہوٚل گوم ہیکہٕ کیہو
گورٕ سُند وَنُن راوَن تیٚول پیوم
پہلہِ روست کھیٚول گوم ہیکہٕ کیہو

قند و نبات کا بھاری بوجھ میں پیٹھ پہ لادے پھرتی تھی
بوجھ کی رسی ڈھیلی پڑ گئی جسم کی حالت جب بگڑی
عشرت کے متوالے دل کو تڑپائے مرشد کا قول
عیش وطرب کے اس ریوڑ کو حاجت ہے چرواہے کی"

نفسے میون چھُے مدٔ ہوٚستے
اُمی ہستی موٚ نگنم گرِ گربل
لچھ تہٕ ساسہ منزٕ اکھاہ لوٚستے
نتہٕ ہئیتنم سأری تل

بہکاہُوا مدھ مست، بھیانک خواہش کا پتلا ہاتھی
نفس کا یہ ہاتھی بھوکا ہے پیٹ کی ہے بس اس کو پڑی
کہیں ہزاروں لاکھوں میں محفوظ رہا اس سے کوئی
ورنہ اِس نے پیروں تلے ہی کچل دیئے سارے ساتھی

نہٕ پیایَس تہٕ نہٕ زایَس
نہِ کھیٚم ہند تہٕ نہِ شوٗنٹھ
شن چھس پتہٕ تےٚ
ستن چھُس بروٗنٹھ

میں زچگی کے بکھیڑوں سے محفوظ رہی ہوں یعنی کبھی
ادرک، کاہُو جیسی چیزوں کی صورت ہی نہیں دیکھی
لالچ، نفرت خواہش، شہوت، حرص تکبر شش آزار
پیچھے چھوڑ آئی ان چھ کو دُھن میں سب یعنی سچ کی

نارٕ گرٕ شھٕ سہُن تہٕ عار گرٕ شھِ گالُن
اوٚبرٕ گرٕ شھِ کڈُن وولِ ہاکس تہٕ ہنٛدے
شوٗب گرٕ شھِ کاچھنٕ تہٕ لوٗب گرٕ شھِ مارُن
پان گرٕ شھِ ناوُن امِ سینٛدے

آگ کی شدت کو سہہ لینا جھوٹی لاج کو تج دینا
کاہو گھاس اور پات چبا کر نفس کو قابو میں رکھنا
لالچ کی جڑ جس سے کٹے وہ زہر بھی ہو تو آب حیات
یہی ہے زیب وزینت بھی اس سندھ ندی میں نہالینا

(و)

وُچھاں تہٕ بوٚچھس ساٲری اندر
وُچھم پرزلاں ساٲری سے منٛز
بُوزتھ رُوزتھ وُچھ ہرس
گرِچھُ تسنٛدے بوکوسہٕ لل

دیکھتی کیا ہوں جیسے میں ہر چیز کے اندر بیٹھی ہوں
ہر شے میں وہ جھلک رہا تھا سامنے کو کھڑا دیکھوں
دیکھا تو پھر دیکھتی رہ گئی تب جا کر سُوجھی یہ بات
وہ مالک گھر کا میں بیچاری لل کس گنتی میں ہوں

واوچ گژاپاہ پانٛس وُچھم
وانٛس ڈیٹھم سورگہٕ وس
دھیانٛس اندر دَمہ دَمہ میلس
گوہ ئن تژ و وُم مُژرِتھ بَر

جیسے وجود ہوا کا جھونکا ہے اور کہتا ہے جھومو
کِس نے دکان میں رکھدی ہیں جنت کی یہ چیزیں دیکھو
دھیان میں پَل پَل ملتی ہوں دیکھو یہ ذات صفت کا کھیل
ساری صفات اور سارے گنوں پر کھول دیا دروازوں کو

(ہ)

ہٕچو ہارنٛجہِ پیٛژیو کان گوم
اَبکھ چھان پیٛوم یتھ راز دانے
منٛز باگ بازرس قلفہٕ روس وان گوم
تیرتھہٕ روس پان گوم کُس مالہِ زانے

گھاس کا تنکا تیر جہاں ہوا اور بے لکڑی کی کمان
میں وہ کاٹھ کمانی میں وہ راج محل ہوں جس کی شان
ایک اناڑی فن سے ناواقف نجار نے غارت کی
کہاں مقام اور کیسی منزل کھلی رہی بے قفل دکاں

ہامَنشہِ کیازِ چھُکھ وُٹھان سیکہِ لوٗر
اَمہِ رَٹہِ ہمالہِ پکی نہ ناو
لیٚوکھے یہ ناراٗلی کر ہِنہٕ رکھ
تہِ مالہِ ہیکیٚ نہٕ پھرِتھ کانٛہہ

کیوں بٹتے ہو ریت کی رسی لاحاصل ہے جب یہ عمل
کیا یوں کشتی گھاٹ سے لگے گی؟ اس رسی میں ہے کس بل؟
کھینچی گئی ازل سے ابد تک اٹل ہے قسمت کی یہ لکیر
ردِ عمل انساں کا مقدر یہی تو ہے اعمال کا پھل

ہے گورا، پریشو را
باوتم ژٕے چھے انتر ویٚو
دوہ شوے دوہ پداں کندِ پرا
ہہٕ گوٕ ترُن تہٕ ہاہ گوٕ توٚت

"میرے مُرشد میرے مالک ہر شَے کا ہے علم تجھے
اُلجھن ہوتی ہے ہر سانس پہ اپنی اس ہُو ہا سے مجھے
اندر کو لوں سانس تو ٹھنڈک باہر کو لوں سانس تو گرم
اِن دونوں میں فرق ہے کیوں جب دونوں اُٹھیں سینے سے؟

(ی)

ییٚمی لۄب منسَمتھ مدژٕ، رمورُن
وَتہِ ناشی مأرتھ لوٗگُن داس
تٔمی سہز ایشوَر گوٗرُن
تٔمی سوٗرے وِیوٚندن سواس

نخوت، حرص اور شہوت تینوں رہزن تینوں ہتھیارے
اِن تینوں بٹ ماروں کو جو راہی بڑھ کے ہلاک کرے
اور نجات دِلا کر لوگوں کو پھر اُن کا ہاتھ بٹائے
ایسا طالبِ حق پھر کیا مانگے اِس جھوٹی دنیا سے؟

یٖہے ماثرِ رٕپٕسھ پَیٕ دِیے
یٖہے باریا رٕپھ گرٕو شیش
یٖہے مایا رٕپھ انتہٕ زوہے مےٚ
شِوٕ چھُے کرٕوٗڈھ ستہٕ ژین ووہ پدیش

ماں بن کر کتنی شفقت سے پیار کرے اور دودھ پلائے
اور بیوی کے روپ میں کیسے خاص انداز سے تجھ کو رجھائے
مادہ پرستی پر اُتر آئے پھر تو جان ہی لے کے ٹلے
کٹھن ہے شوکی منزل اور مشکل ہیں بھید اشاروں کے

یٖمَے شےٚ ژےٚ تمَے شےٚ مےٚ
شیامہ گلا ژٕئے وٕبن تأٹس
یہوے ببن بھید ژےٚ تہٕ مےٚ
ژٕشَن سوٕامی بُو شےٚ مُشٕسِ

جو تیری قوت کے مظہر میرے لئے کیوں معذوری
تیرے چھ گن میرے لئے دوری کے پردے۔ مجبوری
میری غلامی کے باعث کیوں آقا تیرے چھ اوصاف
بحر کے زہر کو پینے والے، دیکھ لے میری مجبوری

یہِ یہِ کرٕم کوٚرُم سُہ اَرژن
یہ رسَنہِ ووہ ژوٗ رُم تِی منٛترٕ
یہُے لوٚگمو دِہس پرژُن
سُے یہ پرَمہ شِون تنتَرٕ

کام کو پوجا سمجھا جو بھی عمل کیا وہ عبادت تھا
جو بھی لفظ زباں سے نکلا ٹھیک نشانے پر بیٹھا
میرے تن نے بھی ہر رنگ میں میرے عمل کی گواہی دی
یہی حقیقت کا حاصل تھا یہی صحیفہ تھا شوکا

☆ ☆ ☆

طاوس

کشمیر کی لوک کہانیوں کا ترجمہ کار

لوک کہانیاں[۱]

لوک ادب ایک قوم کا اہم سرمایہ ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسا آئینہ ہے جس میں اُس قوم کی تہذیبی سرگذشت کی جھلکیوں کو دیکھا جاسکتا ہے۔ لوک کہانیاں اِس ادب کا ایک اہم حصہ ہے جن کی مدد سے ایک سماج کے تہذیبی پس منظر۔ اُس کے رسم ورواج۔ اِخلاق وعادات اپنی سہن کے طریقے۔ اعتقادات سیاسی اور اقتصادی حالات کو سمجھے میں مدد ملتی ہے کشمیری لوک ادب میں لوک کہانیوں کا ایک اتنا بڑا خزانہ ہے جس پر فخر کیا جاسکتا ہے۔ جس کی تائید یورپی محقق جے نہٹن نولز کے اِس بیان سے ہوتی ہے ''شاید ہی دُنیا کی کسی اور زبان میں اتنا اعلےٰ پایئے کا لوک ادب موجود ہو جتنا کہ کشمیری زبان میں دستیاب ہے'' کشمیر میں لوک کہانیوں کو جمع کر کے ضبط تحریر میں لانے کی کوشش کا آغاز یورپی محقیقن کے ہاتھوں ہوا۔ سب سے پہلے جے۔ نہٹن نولز نے ۶۴ کہانیوں کو ضبط تحریر میں لایا اور ۱۸۸۷ میں انہیں folk tales of kashmir کے نام سے لندن سے شایع کیا۔[۱]۔ اِس کے بعد سر آرل ستائین نے hatims tales ''حاتم کی کہانیاں'' کے نام سے ۱۱ کہانیاں جمع کی جو ۱۹۱۱ء میں شائع

---

[۱] (بشکریہ قومی ادارہ لوک ورثہ اسلام آباد، پاکستان)

ہوئیں۔ اس کے بعد نور محمد روشن نے ۳۰ کہانیاں جمع کی جو بعد میں پوشہِ تھری کے نام کے شائع کی ہوئیں۔ اُس طرح سے دیگر کہانیاں تالیف کرنے والوں میں شمبو ناتھ بٹ، ۔ایس۔ ایل سادھو، اختر محی الدین ۔پشکر بھان۔ ٹاک زینہ گیری، محمد احسن احسن وغیرہ کے نام خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

منظوم شعری تراجم کے علاوہ طاوس بانہالی نے آسان اور سلیس اُردو زبان میں لوک کہانیوں کا ترجمہ کیا آپ نے ، جے، ایچ، نولز[۲] کی انگریزی زبان میں تالیف کی گئی لوک کہانیوں کا اُردو ترجمہ کیا اور کشمیری نثر کے اردو ترجمے کی روایت کو آگے بڑھایا۔ یہ کہانیاں بہت ہی دلچسپ ہیں جن کے ذریعے کشمیری تہذیب وتمدن اور کشمیریوں کی ذہانت اوردانشمندی کو سمجھا جاسکتا ہے۔ کشمیری لوک کہانیوں کی آپ کی پہلی کتاب مارچ ۱۹۷۸ء میں شایع ہوئی جس میں ستائیس کے قریب کہانیاں شامل ہیں۔ جن کے عنوانات حسب ذیل ہیں۔

۱۔کشن دیواور میر پری۔۲۔من کی جوت۔۳۔ چرارشریف کے ریشی بابا۔۴۔خواجہ محمود کے انڈے۔۵۔قدیم کہانی غنی بابا کی زبانی۔۶۔اخوند ملا کی کہانی۔۷۔سلطان محمود غزنوی اور مچھیرا۔۸۔راجہ کی کہانی۔۹۔پتھروں کی بارش۔۱۰۔بھدرواہ۔۱۱۔ایک سنار۔۱۲۔بانسری۔۱۳۔اکلوتا بیٹا۔۱۴۔ دردستان۔ ۱۵۔موتل ہامہ کا خواجہ۔۱۶۔سونے کی کان۔ ۱۷۔یوسف ذلیخا۔۱۸۔ پانتہ

۱۔ کاشر لکہ ادب۔........ یونیورسٹی آف کشمیر شعبہ کشمیری

۲۔ جے، نہٹن، نولز نے میں ۱۸۸۰ء میں سرینگر میں سی، ایم، ای سکول کی بنیاد ڈالی جو آج میلنس سکول کے نام سے مشہور ہے

چھوکھ کی بیٹاں۔۱۹۔اکبر بادشاہ۔۲۰۔سرداگر کی کہانی۔۲۱۔ہی مال اور ناگراے۔۲۲۔لالہ ملک کا گیت۔۲۳۔طوطا کہانی۔۲۴۔کسان کی بیوی اور شہد کی مکھی۔۲۵۔ایک گیت۔۲۶۔دردستان کے شہزادے۔۲۷۔کالا چور۔

آپ کی لوک کہانیوں کے ترجموں کا دوسرا مجموعہ ۱۹۸۷ء میں شایع ہوا جو ۴۳ کے قریب کہانیوں پر مشتمل ہے یہ دونوں مجموعے اسلام آباد پاکستان کے لوک ورنہ کے قومی ادارے کی جانب سے بہت ہی اچھے گیٹ اپ کے ساتھ شایع ہوئیں ہیں لوک کہانیوں کے دوسرے حصے میں ۔۱۔شدبُدہ کی بات۔بنگال کا جادوگر۔مغلی کا لاڈلا۔جہان دیدہ تاجر۔ایمان کی بات۔بھاگ بھری۔ساتواں جنگل۔تاجر اور مچھیرا۔سوتے جاگے نصیب۔انسان اور حیوان۔پری اور شہزادہ۔سبز پری اور شہزادہ۔طلسمی پازیب۔انگوٹھی کا راز۔ہونی انہونی۔شیر دِل۔خاتون بی بی۔زیرک گل پاش۔سردار کی گرون۔گنجا اور تم چاروں۔چرخ کا گیت لاجواب بات۔انسان کے کرتب۔ملکہ شہمال۔اپنی اولاد۔روٹی کے عوض جنت۔شبنم کے موتی۔مینا اور طوطا کی کہانی۔جولایے کی چھلانگ۔ذہین بختاوار۔سانپوں کی جوڑی۔کھرے کھوٹے کی کہانی۔تقدیر اور تدبیر۔تیم چرواہا۔اور ٹھگوں کا اُستاد وغیرہ وغیرہ کہانیاں شامل ہیں۔اِن کہانیوں میں کشمیر کی تہذیب وتمدن کا رنگ جھلکتا ہے۔اور کشمیری عوام کے اجتماعی شعور اور فکری ذہانت کی عکاسی ملتی ہے۔آپ نے منظوم کہانیوں کے ترجمے بھی کئے ہیں اور یہ کہانیاں شعر ونغمے کا بھی لطف رکھتی ہیں۔طاوس نے اپنے سلیس طرز بیان سے اِن کہانیوں کو بہت ہی جاذب خیال اور دلچسپ بنایا

ہے۔ اور کافی محنت اور لگن کے ساتھ ترجمہ کر کے اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا ہے۔ مثال کے طور پر یہ کہانی۔

☆

آزمائش شرط ہے

ایک بوڑھے آدمی نے مرتے وقت اپنے اکلوتے بیٹے کو نصیحت کی کہ بیٹا آزمائے بغیر کسی کو اپنا دوست نہ بنانا اور کسی نہ کسی مرحلے پر اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو بھی کسی آزمائش کے وقت ضرور پرکھنے کی کشش کرنا تا کہ آئندہ کے لئے تمہیں تجربہ حاصل ہو.......... کچھ دنوں بعد بوڑھا آدمی مر گیا اور بیٹے نے باپ کی باتوں کو آزمانے کے لیے اپنی بیوی اور اپنے قریبی دوست کی آزمائش کا تہیّہ کرلیا۔ اس کا دوست بہت ہی چالاک تھا اور مقامی حاکموں کے لئے مخبری و جاسوسی کا کام کرتا تھا.......... وہ اس نوجوان کے گھر بھی آیا جایا کرتا تھا اور اس کی بیوی کو بھائی کہہ کر پکارتا تھا۔ ایک روز نوجوان کسی کام سے شہر چلا گیا اور واپسی پر قصائی کی دکان سے ''سری پائے'' خرید کر لایا.......... اُس نے سوچا کہ اپنے مرحوم باپ کی نصیحتوں کو پرکھنے کے لئے یہ ایک اچھا طریقہ ہے..... چنانچہ ایک تھیلے میں ''سری پائے'' لے کر جب وہ گاؤں واپس پہنچا تو خاصی رات ڈھل چکی تھی..... اُس نے اندھیرے میں گھبرائی ہوئی آواز میں اپنی بیوی سے کہا کہ وہ گھر میں روشنی نہ کرے اور ایک کدال لے کر چپ چاپ آنگن میں ایک گڑھا کھودنے لگا..... بیوی کی حیرت کو خوف و وحشت میں تبدیل کرتے ہوئے اُس نے کہا کہ میں نے اپنے

ایک پُرانے دشمن کو قتل کر دیا۔ اور اس کی کھوپڑی کو انتقاماً اپنے آنگن دفن کرنا چاہتا ہوں۔...... بیوی چپ چاپ گڑھا کھودتی رہی اور نوجوان نے اپنے ہاتھوں سے تھیلے میں رکھی ہوئی دُشمن کی کھوپڑی کو دفن کر دیا...... اس کام سے فارغ ہو کر نوجوان تو گہری نیند سو گیا لیکن اُس کی بیوی کو خوف کے مارے ساری رات نیند نہ آسکی...... صبح کو نوجوان کہیں کام کرنے کے لیے چلا گیا تو اُس کا دوست جو سرکاری جاسوس تھا، اُس کے گھر میں داخل ہوا اور نوجوان کے بارے میں دریافت کرنے لگا.......... اُس نے دیکھا کہ نوجوان کی بیوی کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں اور اُس کی آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں۔ پہلے تو وہ سمجھا کہ میاں بیوی میں کچھ ناچاقی ہو گئی ہوگی لیکن یہ بات اُسے خلاف معمول محسوس ہوئی اور اُس نے پوچھ ہی لیا کہ بھابی سچ سچ بتائیں کہ کیا بات ہے؟

یہ سُننا تھا کہ نوجوان کی بیوی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور اُس سے التجائیں کرنے لگی کہ بھیا تم ہی اپنے دوست کو بچا سکتے ہو۔ اُس نے کہیں شہر جا کر اپنے کسی پُرانے دشمن کو قتل کر دیا ہے اور اُس کا سر کاٹ کر لایا ہے جو رات کے اندھیرے میں ہم دونوں نے گڑھا کھود کر آنگن میں چھپا دیا ہے ....سرکاری مخبر نے خاتون کو دلاسا دیا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں اور اُلٹے پاؤں اپنے دوست کی تلاش میں جا نکلا۔ اتفاق سے کچھ دن پہلے شہر میں قتل کی ایک ایسی واردات ہوئی تھی جہاں کوئی قاتل مقتول کا سر کاٹ کر لے گیا تھا۔ مقتول کے وارث کھاتے پیتے لوگ تھے انہوں نے قاتل کا سراغ لگانے والے کے نقد انعام دینے کی منادی کرادی اور پولیس بھی قاتل کو تلاش کرنے

میں سرگرم تھی.......... ادھر سرکاری مخبر کو جب اس بات کا علم ہوا تو اُسے یقین ہو چلا کہ ہو نہ ہو یہ کام اُس کے دوست نے کیا ہے۔ دوستی کا رشتہ کیا ہوتا ہے؟ یہ بات اُس نے کبھی سوچی نہ تھی چنانچہ اُس نے اپنے فرائض منصبی اور انعام کے لالچ میں پولیس کو خبر کر دی اور پولیس کے عملے کو لے کر اپنے دوست کے گھر کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں اُس نے اپنے دوست کو گھر کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تو اُس نے پولیس کے عملے کو ''قاتل'' کی نشان دہی کراتے ہوئے یہ درخواست کی کہ وہ اسے اپنے دوست کا سامنا کرنے کی اذیت سے بچائے رکھے۔ یہ کہہ کر وہ ایک طرف کو چھپ گیا اور پولیس نے نوجوان کو گرفتار کر کے تھانے پہنچا دیا..... تھانیدار ''اشتہاری ملزم'' کو دیکھ کر خوشی سے پھولا نہیں سماتا اور اُس نے فوری طور پر تفتیشی عملے کو ملزم سے اقبال جرم کروا کر مقتول کا سر اور آلات قتل وغیرہ برآمد کرنے کا حکم دیا..... یہ سُن کر نوجوان نے جو کسی طرح بھی قاتل دکھائی نہیں دیتا تھا، تھانیدار سے کہا کہ حضور آپ میرے ساتھ میرے گھر تشریف لے چلیئے میں آلہ قتل اور سری پائے دونوں کو نشاندہی کروں گا..... تھانیدار نے نوجوان کے منہ پر ایک زوردار تھپڑ رسید کرتے ہوئے گرجا۔ ''مذاق کرتے ہو؟ نوجوان نے دل برداشتہ لہجے میں جواب دیا کہ جناب میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔ آپ مجھے میرے گھر تو لے چلیئے۔ تھانیدار نوجوان کو ساتھ لے کر اُس کے گھر پہنچا تو نوجوان کی نشاندہی پر گڑھے میں سے وہ تھیلا برآمد کیا گیا جس میں سری پائے، رکھے ہوئے تھے۔ نوجوان نے تھانیدار سے مخاطب ہو کر کہا کہ حضور مقتول کا سر، تو آپ نے

ملاحظ فرمالیا اب آلاتِ قتل باقی ہیں۔ ان میں سے ایک آلہ تو میری بیوی ہے جسے آزمانے کے لئے میں نے یہ ڈھونگ رچایا تھا اور دوسرا آلہ آپ کا وہ مخبر ہے جسے آزمائے بغیر میں نے دوست بنایا تھا۔ اب تھانیدار سمجھ گیا کہ یہ سارا قصہ محض آزمائش کا تھا۔

☆

Taoos Banihali
(1933-2002)



Ghulam Rasool Taoos Banihali was born on 28 November 1933 in the mountainous town of Banihal in Kashmir. In sixties, he was employed in the news unit of Radio Pakistan and did his Masters Degree in 1963. Among those Kashmiri poets and writers who [illegible] because of their [illegible] Taoos was the most prominent literary personality. Taoos has translated into Urdu verse the Ashloks of Hazrat Sheikhul Alam and has also translated the Kashmiri Folk Tales by J Hinton Knowles. Taoos passed away in 2002 in Islamabad, the capital city of Pakistan.

Of His Tears

Love reminds me of
Traditions [illegible]
Of lovers [illegible]
In the [illegible] of Najd.
×××
Of Mansur, the martyr,
And the cross which
[illegible]
Of love songs and echoes
Which resound in ears
In fairy-lands,
Of your happy smiles,
Transcending my soul,
Of fairy-faces,
But scrolls of [illegible]
×××
Taoos espouses your love
Which he has kept alive
[illegible]
Burning the oil
Of his tears.

Bows and Arrows

My love forsake me
And forgot
[illegible]
×××
[illegible]
[illegible]
The worldly ways
It's time
Which works magic
With life
In a mood
[illegible]
×××
[illegible]
Forever and ever
[illegible]
But [illegible]
Can you offer
[illegible]
×××
For you alone
[illegible] whole world knows
The [illegible] of my heart
And [illegible]
Makes [illegible]
When you're described.
×××
Look not askant
At lovers betrayed
They'll fade one day
While their sighs
Will live forever.
×××
No arrows of eye-lashes,
Nor bows of eye-brows,
But your fondness alone
Makes Taoos dance.

Wise Cracks

The shining star
[illegible] at night
And at dawn
Crossed rock-tops
And the Sun filled
Casks with blood
Of [illegible]
×××
While my sinews
Build shelters
[illegible] lies in wait
For my bones
And [illegible] and roses
Carry a tomb
On their back
Of my blood
×××
[illegible]
A Widow [illegible]

[illegible]
By the sizzling sun
Of my shyness
I can't open my heart
[illegible] passes by
Having burnt my mind.
×××
The simple souls
Were dragged to the cross
For truth and piety,
While wise cracks
Romanticised scribes
And platitudes
Of [illegible]
×××
That great Mansur
[illegible]
[illegible] of his self
And cast a eye
While wise cracks
Of the day
[illegible] black and white.

Passion

Your passion renders
Me silky and lonely;
In a quiet habitat
It keeps me
[illegible]
Speak out
×××
[illegible]
Which strangers know not
For your passion
Renders me
Homeless and friendless.
×××
Thistles and [illegible]
Grow [illegible]
While [illegible] sprout
In [illegible] wastes,
Scorpions perch
On thorny branches
And your passion
Is a vast expanse
Like Solomon's kingdom.
×××
Your passion played
Hide and seek
With my heart
And snatched my sight
It's like [illegible]
Entwining
Cypresses tall.
×××
The chain of your curls
Was long enough
Or beyond my reach
So my inaccessibility
Rendered your passion
A gloomy fate.

Tr. — Kh Hameed Mumtaz

کتابیات

۱۔ خیابان کشمیر مرتبہ غلام نبی خیال کلچرل اکادمی سرینگر ۱۹۹۸ء

۲۔ تصویر کشمیر ڈاکٹر ایم ایس ناز مظفر آباد پاکستان

۳۔ کٔشیر بالہٕ اپارِ پروفیسر مرغوب بانہالی۔

۴۔ طاوس بانہالی کی ادبی خدمات
مرتبہ گلشن آراہ پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور

۵۔ ماہنامہ اخبار اردو اسلام آباد پاکستان فروری ۲۰۰۵ء

۶۔ نیری پوش کشمیری جریدہ مارچ ۲۰۰۴ء مرتبہ ایس اے اندرابی مظفر آباد۔

۷۔ نیری پوش دسمبر ۲۰۰۰ء

۸۔ نیری پوش فروری ۲۰۰۵ء

۹۔ مراسلات (نقولات) غلام محمد دلفگار برادر عزیز طاوس بانہالی

۱۰۔ جیمی صوبس منز کأشر زبان واد بٕک تواریخ منشور بانہالی۔

☆☆☆



منشور بانہالی

مُصنف کی دیگر تصانیف

۱۔ جومی صوبس منز کأشِر زبان وادبک تواریخ

۲۔ رابندرناتھ کا بال ساہتیہ بنگالی (کشمیری ترجمہ)

۳ تحسین جعفری مونوگراف (اُردو)

۴۔ بانہال۔ گیٹ وے آف کشمیر (زیراشاعت)